قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۴
ربیع الثانی: ۱۴۴۶ھ - نومبر: ۲۰۲۴ء
قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 34919531-21-92 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

فلسطین پر اسرائیلی درندگی و جارحیت کا ایک سال	۷	
یوم الفتح ختمِ نبوت کانفرنس	۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
توہینِ رسالت اور مسلمانوں کا ردِّ عمل	۶	

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ بنام حضرت بنوریؒ	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
تحمُّلِ امانت ... مراتب اور تقاضے	۱۱	حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ
حسنِ اخلاق ... سرمایۂ زندگی	۲۰	مولانا محمد راشد شفیع
''مصابیح السنة'' کی شرح ''المیسَّر'' اور اُس کے مصنف حافظ توربشتیؒ کا تعارف	۲۳	مولوی محمد زبیر
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبدیل کردہ نام	۳۱	مفتی سید انور شاہ
اُمت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندیشے	۳۸	مولانا احمد سعید
اُمت کے اتفاقی موقف سے انحراف گمراہی ہے (قسط: ۱)	۴۲	مولانا محمد نعمان خالد

یادِ رفتگان

حضرت مولانا مستفیض الرحمٰن عباسی رحمۃ اللہ علیہ	۵۶	
جناب الحاج حافظ طاہر مکی رحمۃ اللہ علیہ	۵۷	محمد اعجاز مصطفیٰ
اُستاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۸	

دار الافتاء

عورتوں کے لیے مصنوعی پلکیں اور مصنوعی ناخن وغیرہ لگانے کا حکم	۶۰	ادارہ
طالب علم سے لیٹ فیس کی صورت میں مالی جرمانہ لینے کا حکم	۶۱	

نقد و نظر

نقوشِ شجاع آباد (۲ جلدیں)	۶۴	ادارہ

بصائر و عبر

فلسطین پر اسرائیلی درندگی و جارحیت کا ایک سال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

۷؍اکتوبر ۲۰۲۳ء سے شروع ہونے والی فلسطینیوں پر صہیونی اور ان کے ہم نواؤں کی درندگی و جارحیت کو ایک سال مکمل ہو چکا ہے، جس میں چالیس ہزار سے زائد شہید ہو چکے ہیں، جن میں زیادہ تر تعداد معصوم بچوں اور خواتین کی ہے، اور ایک لاکھ سے زائد زخمی اور بے گھر ہو چکے ہیں، مکانات کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا اور ہزاروں معصوم جانیں ملبے کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔ ٹھیک ایک سال قبل اسرائیلی مظالم سے ستائے ہوئے فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم حماس نے ظالم وجابر اور قابض وغاصب ملک اسرائیل کے خلاف جہادی کارروائیوں کا آغاز اس وقت کیا تھا' جب عالمِ کفر سمیت عالمِ اسلام میں سے کچھ مسلمان ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا تھا اور کئی اہم اسلامی ممالک کی جانب سے ناجائز ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی، لیکن حماس کے جرأت وبہادری سے سرشار ان حملوں نے تمام دنیا کو سوچنے پر مجبور کر دیا، اور آج ایک سال بعد پوری دنیا اسرائیلی ظلم وستم کی عینی شاہد وگواہ بن چکی ہے۔ اور اسلامی ممالک نے بھی اسرائیل کو اس وقت تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، جب تک کہ فلسطینی ریاست کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔

طوفان الاقصیٰ کے نام سے ۷؍اکتوبر ۲۰۲۳ء کو جب حماس کی قیادت میں فلسطینی مجاہدین نے غزہ کی پٹی سے اسرائیل کے خلاف بڑے پیمانے پر حملے کا آغاز کیا اور مجاہدین اسرائیلی رکاوٹوں کو توڑتے ہوئے

غزہ کی سرحدی گزرگاہوں کے ذریعے قریبی اسرائیلی بستیوں میں داخل ہوئے تو یہ ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیل کی حدود میں پہلا براہِ راست حملہ تھا۔

فلسطینی جدوجہد کے لیے حماس قیادت نے بھی اپنے گھرانوں کی قربانیاں پیش کی ہیں، چنانچہ حماس سربراہ اور فلسطین کے سابق وزیر اعظم اسماعیل ہنیہ شہیدؒ کے بیٹوں اور بہن سمیت خاندان کے ۷۹ افراد اسرائیلی حملوں میں جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں، شہادت تک اسماعیل ہنیہؒ اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ کر کھڑے رہے تھے۔ تہران میں شہید ہونے والے اسماعیل ہنیہؒ کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے، اپنی شہادت سے قبل اپنے بیٹوں اور پوتے سمیت فیملی کے دیگر افراد کی شہادت پر بھی فلسطینی رہنما صیہونی جارحیت کے سامنے ڈٹے رہے اور کبھی ان کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ غزہ جنگ کے دوران اسماعیل ہنیہؒ کے خاندان کے درجنوں جنازے اُٹھے، مگر وہ حق کی جنگ لڑتے رہے۔ اسرائیلی حکام نے اسماعیل ہنیہؒ کو زک اور تکلیف پہنچانے کی غرض سے عید پر بھی غزہ کی پٹی میں فضائی حملہ کر کے ان کے تین بیٹے اور پوتے شہید کر دیے تھے۔ بیٹوں کی شہادت پر اسماعیل ہنیہؒ نے ردِعمل دیتے ہوئے کہا تھا کہ: شہادتوں سے ہمیں آزادی کی اُمید ملتی ہے، پیچھے نہیں ہٹیں گے، چاہے بچے شہید اور گھر تباہ کر دیے جائیں۔ غزہ کے الشاطی کیمپ میں اسرائیلی فوج کے فضائی حملے میں حماس سربراہ کی بہن اور دیگر رشتے دار شہید ہو گئے تھے۔ ترجمان حماس خالد قدومی کے مطابق اسماعیل ہنیہؒ کے بیٹوں سمیت خاندان کے اُناسی افراد شہید ہو چکے ہیں۔

اسرائیل اس جنگ میں بری طرح پھنس چکا ہے، اس لیے وہ باہر نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، اسی بدحواسی میں اب اسرائیلی فضائیہ نے لبنان کے سرحدی قصبے شعبہ پر حملہ کیا' جس میں ایک ہی خاندان کے نو افراد شہید ہو گئے۔ جب کہ اب تک لبنان میں اسرائیلی حملوں سے تقریباً ۷۰۰ افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اسرائیل حزب اللہ کی فوجی صلاحیتوں اور سینئر حزب اللہ کمانڈروں کو نشانہ بنا رہا ہے، اسرائیل کے اعلیٰ حکام نے دھمکی دی ہے کہ اگر حزب اللہ کی فائرنگ جاری رہی تو لبنان میں بھی غزہ کی طرح تباہی دہرائی جائے گی۔ حزب اللہ نے حماس کی حمایت میں شمالی اسرائیل پر جب سے راکٹ داغنے شروع کیے ہیں، اس کے بعد سے اسرائیلی جوابی حملوں کے نتیجے میں لبنان میں ہزاروں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ نیز اسرائیل کے لبنان پر پیجر حملوں سے واکی ٹاکی پھٹنے سے ۲۰ افراد جاں بحق جبکہ ۴۵۰ سے زائد زخمی ہوئے ہیں۔ کئی پیجرز پھٹنے سے دو بچوں سمیت ۱۲ افراد شہید اور تقریباً ڈھائی ہزار زخمی ہوئے۔ پیجر پھٹنے کے واقعات میں اکثر لوگوں کو چہرے، ہاتھ یا پیٹ پر چوٹیں آئی ہیں۔

۲۸ ستمبر ۲۰۲۴ء کو اقوامِ متحدہ کے سالانہ اجلاس میں پاکستانی وزیر اعظم میاں محمد شہباز شریف نے اسرائیلی جارحیت کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور مطالبہ کیا کہ آزاد فلسطینی ریاست جس کا دارالحکومت القدس ہو،

کو اقوام متحدہ کا رکن بنایا جائے۔ نیز اسرائیلی وزیر اعظم کی تقریر کے دوران پاکستان اور ایران سمت کئی ممالک نے احتجاجاً واک آؤٹ کیا اور اسرائیل کو باور کرایا کہ وہ خطے میں تنہا ہوتا جا رہا ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم کی تقریر کے دوران شور شرابا ہوا اور موجود اراکین نے بھی اسرائیل کے خلاف غم و غصے کا اظہار کیا، مگر اسرائیل نے اپنے وزیر اعظم کی تقریر کے عین دوران لبنان میں اسرائیل کے خلاف برسرِ پیکار تنظیم حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ کو نشانہ بنایا اور اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس سب کے باوجود مجاہدینِ القدس کے حوصلے پست نہیں ہوئے ہیں اور وہ ارشادِ نبوی:

’’لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰی یُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ.‘‘ (ابوداؤد:۱،ص:۲۸۸،۲۸۹)

’’میری اُمت کی ایک جماعت حق پر جہاد کرتی رہے گی، دشمنی کرنے والوں پر غالب رہے گی، حتیٰ کہ ان کے آخری افراد مسیح دجال کے ساتھ لڑیں گے۔‘‘

کا مصداق و پیکر بنے، صبر و استقلال اور عزیمت و شہادت کی راہ پر چلتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں اور دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اور ظالم و جابر اسرائیل انہیں جادۂ مستقیمہ سے روگرداں نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے، شہداء کے درجات بلند فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کو ان کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

یوم الفتح ختمِ نبوت کانفرنس

۷ر ستمبر ۲۰۲۴ء کو آئینِ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کو ۵۰ر سال کا عرصہ مکمل ہوا، تو عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت نے اس یادگار موقع پر جشنِ زرّیں منانے کا فیصلہ کیا، اس کے لیے جمعیت علمائے اسلام کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے مینارِ پاکستان لاہور کے وسیع و عریض میدان میں کانفرنس کرنے کا اعلان کیا۔ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام اور جمعیت علمائے اسلام کے تعاون سے اس کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس کے لیے ملک بھر میں آگاہی مہم چلائی گئی، تمام چھوٹے بڑے شہروں میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مبلغین نے چھوٹی، بڑی کانفرنسوں، سیمیناروں، کنونشنوں، پروگراموں، ریلیوں، جلسوں، جلوسوں کا انعقاد کر کے عوام میں بیداری کی لہر پھونک دی، شہر کراچی کے مختلف اضلاع میں کانفرنسیں ہوئیں۔ نیز گلستانِ انیس بہادر آباد میں عظیم الشان سیمینار رہا، جس میں تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے مندوبین نے شرکت کی، اس کے علاوہ ڈاکٹروں، وکیلوں، تاجر برادری، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے

اساتذہ اور سماجی شخصیات نے بھرپور شرکت کی، مقررین نے اپنے خطاب میں تحفظِ ختمِ نبوت کے لیے پوری اُمتِ مسلمہ کے اتحاد ویکجہتی پر زور دیا اور شہدائے ختمِ نبوت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب مہتمم مولانا مفتی ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری، دارالعلوم کراچی کے نائب صدر مفتی زبیر اشرف عثمانی، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مرکزی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مولانا قاضی احسان احمد، قانونی مشیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ، مرکزی رہنما جمعیت علمائے اسلام قاری محمد عثمان، رکن اسلامی نظریاتی کونسل مفتی زبیر حق نواز، صوبائی وزیر بلدیات سعید غنی، سابق وزیر داخلہ عبدالرؤوف صدیقی، ممبر قومی اسمبلی ڈاکٹر فاروق ستار، رہنما جماعت اسلامی محمد حسین محنتی، ممبر صوبائی اسمبلی تحریک انصاف سربلند خان، صدر تاجر اتحاد عتیق میر نے اجتماع سے خطاب کیا۔ مقررین کا کہنا تھا کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے آئین میں عقیدہ ختم نبوت کے منکرین غیر مسلم قرار دیے گئے، آج اس تاریخ ساز کامیابی کو ۵۰ سال پورے ہو رہے ہیں، عقیدہ ختم نبوت ہماری ریڈ لائن ہے، جس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہمارے رہبر و رہنما ہیں، جن کے اُسوہ میں دنیا و آخرت کی کامیابی پوشیدہ ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پورے ملک سے کم وبیش ڈھائی لاکھ گاڑیاں یوم الفتح کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور میں داخل ہوئیں، پندرہ لاکھ کے لگ بھگ مجمع آیا جو تاریخ میں ایک فقید المثال ریکارڈ ہے۔ اس کانفرنس کے مہمانِ خصوصی قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم تھے، جب کہ جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، مرکزی جمعیت اہلحدیث، مجلس تحفظ ختم نبوت، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی قیادت نے بھی خطابات کیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ۵۰ سالہ کانفرنس کو اگلے ۵۰ سال تک کے لیے رہبر و راہنما بنائے اور ناموسِ رسالت وتحفظِ ختمِ نبوت کے لیے اسلامیانِ پاکستان کو یونہی بیدار وسرشار رکھے، آمین!

توہینِ رسالت اور مسلمانوں کا ردِّعمل

گزشتہ دنوں کوئٹہ اور عمرکوٹ سندھ میں مبیّنہ گستاخی وتوہینِ رسالت کے الزام میں دوملزمان کو پولیس تحویل میں قتل کر دیا گیا۔ واضح رہے کہ توہینِ رسالت کے واقعات میں دن بہ دن اضافہ تشویش ناک ہے۔ نیز ہمارے ادارے اور عدالتیں بھی گستاخوں کو سزا دینے کی بجائے رعایت دیتی ہیں، جس کی بنا پر

مسلمانوں میں قانون ہاتھ میں لینے کا رجحان پروان چڑھایا جارہا ہے، جو کسی بھی اعتبار سے امن و مان کے لیے نیک شگون نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ ہمارے اداروں اور عدالتوں کے لیے بھی ایک سوالیہ نشان ہے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے اور کون کروارہا ہے؟ بہرحال! ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کریں گے کہ گستاخانِ رسالت اور قادیانیوں کی خلافِ اسلام وخلافِ پاکستان سرگرمیوں کے خلاف ازخود کوئی قدم اُٹھانے کی بجائے اداروں اور عدالتوں سے رجوع کریں، اور ہماری عدالتیں بھی عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں امن وامان نصیب فرمائے، ہمارے ملک کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنائے، جس نظریۂ اسلام پر یہ مملکتِ خداداد حاصل کی گئی تھی' اس کے تقاضوں کے عین مطابق اس کو بنانے اور اس کو چلانے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے ملک کی جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کی ہر اعتبار سے حفاظت فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ جناب مخدومم مولانا صاحب دامت برکاتُکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

❶- ہفتہ کی شام کو خیبر میل سے روانگی ہوئی، انٹر میں نہایت آرام دہ جگہ ملی، اور ''نوشہرہ'' تک لیٹے لیٹے آرام وراحت سے بروقت نمازیں ادا کرتا ہوا پہنچا۔ ''درگئی'' کی گاڑی انتظار کررہی تھی، وہ ہمیں گود میں لے کر دس بجے ''درگئی'' رونق افروز ہوئی۔ وہاں سے سوات میل بس فرنٹ سیٹ میں جگہ ملی، نہایت آرام سے ''مینگورہ'' ۲ بجے پہنچے تو ''درش خیلہ'' کی بس سراپا انتظار بنی ہوئی تھی، وہاں بھی اگلی سیٹ میں راحت سے بیٹھ کر قبیل المغرب پہنچ کر والدین کی قدم بوسی نصیب ہوئی۔ جگر گوشہ شبیر احمد کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

عجیب فضا ہے، صحت بخش موسم ہے، زمین پر سبز قالین اور ہر سُو پھولوں کے گل دستے، اور قُلَل (پہاڑوں کی چوٹیوں) پر برفی چادریں! ایک عجیب نظارہ ہے۔ پانی کے چار گھونٹ وہ کام دیتے ہیں (کہ) دس بوتل سوڈے کی اس سے عاجز ہیں۔ ناشتہ کرکے گیارہ بجے تک معدہ میں بھوک کی سوزش سے رہا نہیں جاتا، سہ سالہ بھینس کے لحم کے شوربے سے (وہ) لطف ومزہ آتا ہے جس سے کراچی کے فربہ لحوم مصالحہ دار عاجز ہیں۔ غرض ہر چیز لذت دار ہے، صرف اگر بے لذت ہیں تو یہاں کے انسان بے لطف و بے لذت ہیں، تلخ ہیں، ظالم ہیں، خَشِن ہیں، ناتراش ہیں۔ بات لمبی ہوگئی؛ لِطُول المخاطبة!

❷ - معاف فرمادیں! عندالوداع عرض کرچکا تھا کہ اس عاجزِ ناتواں کی زلّاتِ علمیہ کی فہرست مع الہدایات سے نوازا جائے، جونقائص ومعایب کندہ ناتراش کے لیے مرآۃ (آئینے) کا کام دے۔

❸ - متنبی کا قافیۂ دال قریب الختم ہونا، اور''الوسیط'' کا عصرَین وبعضِ ثالث تک پہنچ جانا، باوجود تنگیِ وقت (۱۲ تا ایک) اور احمد الاحمد صاحب کے بدھ جمعرات کو مزاحم ہونے کے بعد کوئی قابلِ رنج وقلق بات نہیں ہے۔ باقی کتابیں متوسط چال سے ختم ہوچکی تھیں، شاید طلبہ بھی مطمئن تھے، اس لیے میرے متعلق آپ کو زیادہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کما ظننتُ! نفسِ کتاب کے مضمون کو ذہن نشین کرانے میں ان شاء اللہ خیانت نہ ہوگی، بفضل الله وکرمہٖ! اگر مجھ میں کوئی ایسی کمی ہو جو قابلِ اصلاح نہ ہو اور مدرسہ کے لیے میرا وجود کوئی نافع نہ ہو تو آپ کو اللہ تعالیٰ جلّ وعلا شانہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ فوراً میرا نام مدرّسین کی فہرست سے الگ کردیں، اور خیانت نہ فرمائیں، اور فوراً مجھے آگاہ کردیں، والله ثمّ والله ثمّ والله! مجھے کوئی قلق نہ ہوگا، اور میں کسی اور راہ پر چل پڑوں گا۔ صفائی سے کام لینا طرفین کا فریضہ ہے۔ یہ لکھنا کوئی عدمِ استقلال کی بنا پر نہیں، بلکہ ہر کام کا مدار امانت پر ہوا کرتا ہے، یہ اس کا ایک منظر ہے، کما هو الظاهر!

والد صاحب اور خواتین ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ فقط

العبد الفهمد فضل محمد عفا اللہ عنہ

۱۳/ شعبان سنہ ۱۳۷۷ھ/ ۵/مارچ سنہ ۱۹۵۸ء

نوٹ:

①- پرچوں میں طلبہ کی اکثریت کو کامیابی حاصل ہے۔

②- مگر اس کے باوجود اکثریت میں کتابت اور طریقِ بیان کی کمزوریاں نظر آتی ہیں۔

③- بہت سے قابل طلبہ شکل وشباہت میں قابلِ گرفت ہیں۔

④- مدرّسین میں تحابُب وتوادُد (باہم محبت واُلفت) ہے، تحاسُد سے خالی ہیں، حسبما علمتُ!

⑤- اگرچہ طریقِ تعلیم میں بعضوں کے اندر خامیاں موجود ہیں، جو آپ پر مجھ سے زیادہ روشن ہوگا۔

⑥- افادہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا ولی حسن صاحب کا ہے۔ فقط وهٰذا ما عندي، والعلم عند الله!

مخدوم جناب مولانا صاحب دامت برکاتُکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) غریب خانہ پہنچ کر تیسرے روز ایک تفصیلی خط ارسال کرچکا ہوں، شاید آپ کو ملا ہوگا، آہ بے

اختیار اس طرف سے دل پر تذکار (یاد) کے جھونکے لگ لگ کر قلب بے قرار ہے، اس لیے یہ چند کلمات پیشِ خدمت ہیں، ممکن ہے کوئی رقعہ دست مبارک کا لکھا ہوا مل جائے، اور دلِ بے قرار کے لیے سکون کا سامان ہو جائے۔

کل عجیب بارش ہوئی ہے، جس سے ''سوات'' کی بہار پر چار چاند لگ گئے، اور چاروں طرف پُر لطف فضا میں صاف ستھری ہوا برف سے ٹکر کھا کر تازہ تازہ گلستان کی خوشبوؤں کے طرح طرح پارسلوں کو دل و دماغ تک پہنچاتی ہے، اور خون کی نالیوں کی صفائی کا کام بخشتی ہے۔ صبح کی نماز کے بعد تفریح کے لیے دامنِ کوہ میں نکل جاتا ہوں، جو پھولوں اور سبزوں میں دلہن کی طرح جلوہ گر ہوتا ہے، تازہ تازہ ہوائیں دل کی کھڑکی میں پہنچ جاتی ہیں تو سحری کا کھانا ہضم اور جزوِ بدن بن کر جی چاہنے لگتا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر دوڑ کر چڑھ جاؤں۔ واپسی پر کتب خانہ آ کر ''خیرُ جلیسِ الزمان'' (زمانے کے بہترین ہم نشینوں یعنی کتابوں) سے سرگوشی کرنے لگتا ہوں، پھر قیلولہ کر کے ظہر کے بعد تلاوت و دلائل الخیرات سے آخرت کا سامان اور احیائے قلب وغذائے ایمان کے اسباب میں مشغولی نصیب ہو جاتی ہے، قیلولہ بغیر لحاف کے ناممکن ہوتا ہے۔ بہتے ہوئے سلسبیل سے وضو کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ برف کا تودہ اُٹھا کر بدن پر مل رہا ہوں۔ رات کو تراویح ایک قاری حافظ کے پیچھے پڑھتا ہوں، جس سے جان میں جان آتی ہے، وہ اپنے بہنوئی ہیں، تاجر ہیں، لوجہ اللہ سناتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ظاہری و باطنی غذاؤں، صحتوں اور فرحتوں کا سامان ہر ایک لمحہ میں اللہ تعالیٰ جلّ وعلا شانہ نے کر دیا ہے، جن کا شکریہ تو کیا، تصورِ شکریہ بھی طاقتِ بشریہ سے خارج ہے، کمی صرف آپ کے دستِ مبارک کے چند کلماتِ مکتوبہ کی ہے، کاش! یہ کمی بھی پوری ہو جائے۔ وما ذٰلك على الله بعزيز!

(۲) والدین سخت بیمار ہو چکے تھے، مگر اب الحمد للہ! بالکل تن درست ہیں۔

(۳) جگر گوشہ بشیر احمد کا ختنہ گزشتہ بدھ کے روز ہوا، اب وہ الحمد للہ رُو بصحت ہیں۔

(۴) ارادہ تو ۱۰ رشوال سے قبل قبل آنے کا ہے، باقی اللہ کی مرضی!

(۵) اُمید ہے کہ خدماتِ لایقہ سے ضرور بالضرور یاد فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

طولِ مخاطبہ کے لیے یہ خرافات پیش کیے، معافی کا خواست گار ہوں۔

فضل محمد عفا اللہ عنہ

۸ ر رمضان سنہ ۱۳۷۷ھ / ۲۹ رمارچ سنہ ۱۹۵۸ء

پس نوشت: برادرِ محترم محمد صاحب کو پیار!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

تحمُّلِ امانت-مراتب اور تقاضے

ضبط وترتیب: مفتی خالد نیموی قاسمی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند کا ایک یادگار حکیمانہ خطاب

محدثِ جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ مؤرخہ ۱۷ رذوالحجہ ۱۴۲۱ھ کو قدیم دینی وملی تنظیم امارتِ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ تشریف لائے۔ وہاں آپ نے سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی عیادت فرمائی اور ذمہ دارانِ امارتِ شرعیہ کی خواہش پر آپ نے بعد نماز عشاء المعہد العالی ہال میں افتاء وقضاء کے طلبہ اور دار العلوم الاسلامیہ کے طلبہ سے انتہائی بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ اجلاس کی صدارت دار العلوم دیو بند کے معزز رکن شوریٰ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کی اور نظامت کے فرائض بندہ خالد نیموی قاسمی نے انجام دیے۔ اس جامع دینی خطاب کو بندہ نے محفوظ کرلیا تھا۔ ترتیبِ جدید کے بعد افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتّب)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد النبي الأمين وعلى آلہٖ وصحبہٖ أجمعين!

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی اشرفیت وافضلیت کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اس بارِ امانت کو اُٹھالیا ہے، جس کا تذکرہ اس آیتِ کریمہ میں ہے:

’’إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسٰنُ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘ (الاحزاب:۷۲)

یعنی ’’بے شک ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انھوں نے اسے اُٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اُسے اُٹھالیا، وہ بے شک بڑا ہی ظالم، نادان تھا۔‘‘ (الاحزاب:۷۲)

اس آیتِ کریمہ کی تشریح وتفسیر کی آپ جیسے اہلِ علم کے سامنے چنداں حاجت نہیں۔ اس کے چند ٹکڑے اشارتاً ذکر کرتا ہوں، جس سے ساری آیت خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔

امانت کیا ہے؟

مذکورہ آیت میں ایک محوری لفظ ہے: ''امانت''، ''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ'' میں امانت کے معنی تقریباً وہی ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں امانت کہتے ہیں حفاظت کی ذمہ داری کو، کسی بھی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری کو امانت کہتے ہیں۔ آپ حضرات انگریزی پڑھتے ہیں؛ اس لیے انگریزی لفظ استعمال کروں کہ رسپونسی بلیٹی (Responsibility) امانت کی انگریزی تفسیر ہے۔

مشہور حدیث ہے: ''لا إيمان لمن لا أمانة له''، ''جس شخص میں امانت نہیں ہے، اس میں ایمان نہیں ہے۔'' اس حدیث شریف میں امانت کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ ایک شخص ہے، ہم نے اس سے ایک بات کہی، اس سے یہ کہا کہ بھائی صاحب! یہ بات کسی سے مت کہنا۔ اب یہ بات اس کے پاس امانت ہے، یعنی اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے، اب اگر وہ اس بات کو آگے بڑھاتا ہے، کسی دوسرے سے کہتا ہے تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ ایک آدمی کے پاس آپ نے پیسہ رکھا، زر رکھا، سونا رکھا، چاندی رکھی، یا کوئی اور قیمتی چیز رکھی کہ میرا گھر محفوظ نہیں ہے، اس لیے اسے آپ رکھ لیں، میں سفر پر جارہا ہوں؛ اسے آپ رکھ لیں، یہ امانت ہے، یعنی اس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری اس شخص پر ہے۔ یہ میں نے چند چیزیں ذکر کیں، تاکہ آپ لفظِ امانت کا مفہوم سمجھ سکیں کہ امانت کیا چیز ہے؟

کوئی چیز ہوتی ہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا نام امانت ہے، وہ چیز کیا ہے؟ وہ آپ حضرات سمجھتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے پہلے انسان ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تک انبیاء کرام کے ذریعے آسمانوں سے جو ہدایت بھیجی، آسمانوں سے جو دین بھیجا ہے، یہی وہ عظیم شئے ہے، جس کی حفاظت کرنے کا نام امانت ہے، ظاہر ہے کہ یہ کوئی محسوس چیز تو ہے نہیں کہ مثلاً یہ گھڑی رکھی ہے، اسے بکسے میں بند کردیا، محفوظ جگہ رکھ دیا یا مثلاً چابی ہے تو اُسے جیب میں رکھ لیا، تاکہ گھڑی اور چابی کی حفاظت ہوجائے، یہ تو اس طرح کی چیز نہیں ہے۔ اللہ نے جو دین بھیجا ہے وہ اپنی جگہ پر حقیقت ہے، وہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت کی شکل یہ نہیں کہ اُسے تالے میں بند کرکے جیب میں اس کی چابی رکھ لی جائے، بلکہ اس کی شکل کوئی اور ہے۔ یہ ایک لفظ، لفظِ امانت کی شرح ہے۔

عرضِ ’’امانت‘‘ کا مفہوم

دوسرا لفظ ہے: ’’عَرَضْنَا‘‘ یعنی پیش کیا ہم نے۔ پیش کرنا کیا ہے؟ کبھی مجلس میں تھالی لے کر کوئی ملازم آتا ہے، اس تھالی میں سونف ہے، چھالیہ ہے، لونگ، الائچی وغیرہ ہے اور سب کے سامنے گھماتا گھماتا لے چلتا ہے، جس کی خواہش ہے، اسے لے گا اور جسے خواہش نہیں وہ چپ چاپ بیٹھا رہے گا اور تھالی آگے بڑھ جائے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجة الله البالغة میں حضرت قاضی بیضاویؒ اور امام غزالیؒ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ پیش کرنے کا مطلب ’’مخلوقات کی استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنا ہے‘‘ کہ اس امانت کو اُٹھانے کی استعداد وصلاحیت کس میں ہے؟ یہ جو موازنہ کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ پیش کرنا ہے۔ ایسا کوئی محسوس نہیں ہے کہ اس امانت کو رکھ کر سارے مخلوق کے سامنے لے گئے ہوں، ایسا نہیں ہے۔ یہاں مفہوم معنوی طور پر پیش کرنا ہے اور وہ ہے استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنا۔

تحملِ امانت سے انکار

تیسرا لفظ ہے: ’’فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا‘‘ آسمانوں اور زمین نے اور پہاڑوں نے انکار کر دیا اس امانت کو اُٹھانے سے۔ مراد یہ تین ہی مخلوقات نہیں ہیں، یہ تو انسانوں کے سامنے جو بڑی بڑی مخلوقات ہیں، ان کا تذکرہ ہے۔ ’’عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ‘‘ فرمایا، آپ غور کیجئے! آپ اوپر نگاہ اُٹھائیے! کہ آسمان سے بڑی طاقتور دیرپا کوئی مخلوق نہیں ہے، پیروں کی طرف دیکھیے! تو زمین سے زیادہ مضبوط اور دیرپا کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے اور بیچ میں آسمان کے نیچے فلک بوس پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں، معلوم نہیں کب سے کھڑے ہیں، جب سے زمین پیدا ہوئی کھڑے ہیں اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہے ہیں؛ لہٰذا ان تین مخلوقات کی استعدادوں کے ساتھ موازنہ کرنے کا مطلب ہے تمام مخلوقات کے ساتھ موازنہ کرنا۔ کون سی مخلوقات مراد ہیں؟ تو سمجھیے کہ یہاں نورانی مخلوق یعنی وہ جو آسمانوں کے فرشتے ہیں وہ زیرِ بحث نہیں، اس سے مراد زمینی مخلوقات ہیں: چرند ہوں، پرند ہوں، کیڑے ہوں، مکوڑے ہوں، خاک کے ذرے ہوں، شجر ہوں، حجر ہوں۔ تمام مخلوقات کے سامنے یہ امانت پیش کی گئی، یعنی ان کی صلاحیتوں کے ساتھ موازنہ کیا گیا؛ چنانچہ دنیا کی کسی بھی مخلوق میں اس امانت کو اُٹھانے کی استعداد نہیں پائی گئی، یہ جو استعداد نہیں پائی گئی، یہی انکار کرنے کا مطلب ہے۔

یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی بیضاویؒ اور امام غزالیؒ کے حوالے سے لکھی ہے کہ اس آیت میں ’’اِبَاء‘‘ کا مطلب اباءِ طبعی ہے، یعنی ان میں سے کسی میں یہ استعداد نہیں پائی گئی۔ اباء اختیاری اور اباءِ قولی مراد نہیں؛ اس لیے کہ اباءِ قولی اگر کوئی مخلوق کرتی ہے تو وہ انسان کرتا ہے۔ انسان کے علاوہ

کوئی بھی مخلوق اباءِ قولی نہیں کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ کے لیے سجدہ ریز ہیں تمام چیزیں:

''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ'' (الحج:۱۸)

یعنی ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور تمام پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی، یہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ وہ (بھی) ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

یہاں نجوم، شجر اور جبال کے ساتھ ''وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ'' ہے، اس لیے کہ اباءِ قولی صرف انسان میں پایا جاتا ہے، دوسری کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے۔ انسان کے علاوہ خدا کی جو مخلوق آسمان و زمین کے درمیان ہے، وہ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے، لہٰذا وہ مخلوق تو ہمہ وقت اللہ کی تسبیح خواں ہے، اس سے یہ اُمید کرنا، ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ انکار کرے، یہ درست نہیں ہوسکتا۔

''اَبَيْنَ'' کا مطلب ہے: اباءِ طبعی، یعنی موازنہ کرنے کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ کسی مخلوق میں اس امانت کو اُٹھانے کی صلاحیت نہیں ہے، اس کی حفاظت کرنے کی استعداد اُن میں نہیں پائی گئی۔

آیتِ کریمہ کا اگلا حصہ ہے: ''وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا'' پہلے یہ سمجھیے! کہ نہ پائے جانے کے بھی کئی درجے ہیں، کسی ایک چیز کے نہ پائے جانے کی استعداد کے بھی درجے ہیں، ایک درجہ ہے صفر اور ایک ہے زیرو صفر، یا پوائنٹ صفر یعنی سوواں حصہ بھی نہیں ہے اور پوائنٹ صفر یعنی ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے۔ منطق کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں مطلق، یعنی مطلق استعداد اس میں نہیں پائی گئی۔ یہی ''اَشْفَقْنَ مِنْهَا'' کے معنی ہوئے۔

''وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ'' یعنی اس بارِ امانت کو اُٹھانے کی استعداد انسان میں پائی گئی، یعنی یہ پیش کرنا تو بدوِ کائنات یعنی ابتدائے آفرینش میں ہے، اللہ نے جب کائنات پیدا کی ہے، تو پیش کیا ہے، انسان تو ابھی وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔

حضرت قاری محمد طیبؒ کے حوالہ سے ''ظَلُوْم'' و ''جَهُوْل'' کی تفسیر

''اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'': حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم سادس ہیں، حجة الله البالغة کے درس میں اپنی طرف سے ''حکمتِ قاسمیہ'' کے وارث کے طور پر اضافات فرمایا کرتے تھے، ایسی باتیں عام طور پر ارشاد فرمایا کرتے تھے، جو اگرچہ حجة الله البالغة میں نہیں ہوتیں؛

لیکن اس کے مضامین کی ان سے تکمیل ضرور ہوتی تھی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: ’’إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘ میں انسان کی تعریف کی گئی ہے۔ کس طریقے پر تعریف کی گئی؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ’’ظالم‘‘ کے مبالغہ کا صیغہ ’’ظلوم‘‘ ہے۔ ’’ظالم‘‘ اُسے کہیں گے جس میں انصاف کرنے کی استعداد ہو اور وہ انصاف نہ کرے؛ اس لیے دیوار کو ظالم نہیں کہیں گے؛ اس لیے کہ اس میں انصاف کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ’’جاھل‘‘ اور ’’جھول‘‘ اسے کہا جائے گا، جس کی اصل شان تو یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور پھر وہ علم حاصل نہ کرے؛ بلکہ نرا جاہل اور گنوار رہ جائے، تو وہ ’’جاھل‘‘ ہے۔ اس کی ڈگری جب بڑھ جاتی ہے، تو وہ ’’جھول‘‘ بن جاتا ہے۔ دیوار کو نہ تو جاہل کہہ سکتے نہ جھول، اس لیے کہ اس میں مطلق علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

مگر مردِ آفاقی در دو عالم نمی گنجد

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جو تعریف کی ہے، اس کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ انسان علم اور عدل وانصاف کے پہلو پر چلے گا تو اتنی دور تک پہنچ جائے گا کہ کوئی اس کی خاک کو بھی نہیں پا سکے گا، اتنی دور چلا جائے گا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا کہ:

عیاں گر دیدہ می گنجد نہاں در سینہ می گنجد
مگر مردِ آفاقی در دو عالم نمی گنجد

اور اگر خدانخواستہ انسان اس کی مقابل راہ اختیار کرے، جہالت کی راہ پر چلے، ظلم کے راستے پر چلے، تو اسے بھی کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ وہ اتنی دور جائے گا کہ ’’جاھل‘‘ نہیں، ’’جھول‘‘ ہو کر رہ جائے گا، ’’ظالم‘‘ نہیں ’’ظلوم‘‘ بن کر رہ جائے گا۔ ضدّین کی اس میں پوری صلاحیتیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک پہلو کو ذکر کیا اور اس کا مقابل پہلو مخاطبین کی فہم پر چھوڑ دیا کہ خود ہی سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن کریم کا خاص اُسلوب

قرآن کا ایک خاص اُسلوب ہے کہ وہ بہت سی جگہوں پر آدھا مسئلہ بیان کرتا ہے اور آدھا حکمت کے تحت چھوڑ دیتا ہے۔ عام طور پر اسے مخاطبین کی فہم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایسا موقع محل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ‘‘ (آلِ عمران:۲۱)

ترجمہ: ’’یوں عرض کرو: اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس

سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تمام خیر تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے، بیشک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘ (آل عمران:۲۱)

اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا کہ: تمام ’’خیر‘‘ اللہ کے قبضے میں ہے، سوال یہ ہے کہ ’’شر‘‘ کس کے قبضے میں ہے؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ خیر وشر دونوں اللہ کے قبضہ میں ہیں، تو پھر آدھا مسئلہ بیان کر کے آدھے کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ آدھے کو مخاطب کے فہم پر چھوڑ دیا گیا؛ اس لیے کہ یہ موقع اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کا ہے اور اللہ کی تعریف کے موقع پر دوسری ضد کو بیان کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسی طرح کا مسئلہ ’’شرح عقائدِ نسفیہ‘‘ میں آپ نے پڑھا ہے، ’’عذاب القبر حقٌّ ‘‘ یعنی عذابِ قبر برحق ہے؛ لیکن یہ پورا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک حصہ کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس لیے کہ قبر میں صرف عذاب ہی نہیں، بلکہ نیک بندوں کو نعمت بھی بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے تھے کہ: اگر اس آیت میں برائی ہے، تو ان انسانوں کی برائی ہے، جو حق کی امانت ادا نہیں کرتے، لیکن جو مؤمنین حق کی امانت ادا کرتے ہیں، ان کی برائی اس میں نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی تعریف ہے۔

یہ آیتِ کریمہ کے چند اجزاء تھے، جو میں نے سمجھائے۔ اب آگے بڑھیے، یہ جو اُٹھانا ہے کہ انسان نے اس بوجھ کو اُٹھالیا، یہ منطقی اصطلاح میں کلّی مشکّک ہے، چوں کہ اُٹھانا معنوی ہے اور اس کے درجے الگ الگ ہیں، جس طرح احمر، ابیض واسود کے بے شمار درجے ہیں، اسی طرح اُٹھانے کے بھی بے شمار درجے ہیں۔

دو واقعات دو اسباق

دو حدیثوں کو ذہن میں لائیے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے غصہ اور طیش میں آکر اپنی گونگی باندی کو تھپڑ ماردیا۔ جلد ہی انھیں اپنے اس عمل پر پچھتاوا ہوا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، صورت حال کو بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کو بلوا کر پوچھا: ’’أین اللہ؟‘‘ یعنی اللہ کہاں ہے؟ اس نے اشارہ کیا کہ وہ آسمان میں ہے، آپ نے پوچھا: ’’من أنا؟‘‘ کہ میں کون ہوں تو وہ جواب میں ’’انت رسول اللہ‘‘ نہیں کہہ سکتی تھی؛ بلکہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھایا، پھر آپ کی طرف اشارہ کر دیا، یعنی آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تو مکان سے منزہ ہیں اور اللہ کے رسول اس کے جواب پر فرماتے ہیں: ’’اعْتِقْھا فإنھا مؤمنۃٌ‘‘ تم اسے آزاد کر دو، اس لیے کہ وہ مومنہ ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک جوان آدمی تھا جس نے اپنے اوپر ظلم اور گناہ کر رکھا تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا، تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر آدھی راکھ کو خشکی میں اور آدھی کو سمندر میں پھینک دینا، تاکہ میں خدا کے عذاب سے بچ جاؤں؛ اس لیے کہ اگر خدا کا بس چل گیا تو وہ مجھے درد

ناک عذاب دے گا، اس لیے کہ میں نے بے تحاشا گناہ کیے ہیں۔ وہ شخص وصیت کر کے مر گیا، وصیت کے مطابق اس کی اولاد نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا؛ لیکن اللہ نے خشکی اور سمندر کو حکم دیا اور اس راکھ کو جمع کر کے اس کو زندہ کر دیا، پھر اللہ نے پوچھا کہ میرے بندے تو نے تدبیر کیوں کی تھی؟ اس نے وہی جواب دیا کہ پروردگارِ عالم! میں نے آپ کے خوف سے ایسا کیا کہ اگر آپ کا بس چل گیا تو آپ بڑا دردناک عذاب دیں گے۔'' (مشکوۃ: ۲۰۷) اس حدیث کو ذکر کر کے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اس شخص کی بخشش ہوگئی؛ اس لیے کہ وہ مومن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جہاں میری صفت ''شديد العذاب'' ہے، وہیں میں ''غفور رحيم'' بھی ہوں، تم اس صفت کو کیوں نہیں دیکھتے؟ اور اللہ نے اس کی بخشش کر دی، محض اس وجہ سے کہ وہ اللہ سے اس قدر ڈرا۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ایمان کیسے ہوا؟ وہ تو اللہ کو قادرِ مطلق نہیں مان رہا ہے؟ وہ تو مان رہا ہے کہ میری راکھ اس طرح بکھیر دی جائے گی تو خدا کا بس اس پر نہیں چلے گا اور وہ میری مٹی کو نہیں جمع کر سکے گا، وہ قادرِ مطلق نہیں مانتا تو بھی وہ مومن کیسے ہوا؟ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک جملہ جواب کے طور پر لکھا کہ ہر شخص سے مطلوب وہ بات ہے، جو اس کی استعداد میں ہے، ہر شخص کی جتنی استعداد ہے، اتنا ہی اس سے مطلوب ہے۔ آپ حضرات سے ہم پوچھیں کہ: ''أين الله؟'' اور آپ کہیں کہ ''هو في السماء''، وہ جواب درست نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ آپ کی استعداد اس سے بہتر جواب کی ہے؛ لیکن اس باندی کا جواب قبول کر لیا گیا، اس لیے کہ باندی گونگی تھی، اس کی استعداد اتنی ہی بات کی تھی اور وہ آدمی اتنی ہی استطاعت رکھتا تھا کہ راکھ کے جمع کرنے پر خدا کو قادر نہ مانے، تو اللہ نے جتنی استطاعت دی، اس کے موافق اس کا جواب قبول کر لیا۔

حسناتِ ابرار، سیئاتِ مقربین

مجھے اس سے یہ سمجھانا ہے کہ انسانوں میں جو امانت اُٹھانے کی استعداد ہے، اس کا کمتر درجہ یہ ہے اور اعلیٰ درجہ وہ ہے جو انبیائے کرامؑ اور ان کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرامؒ اور بڑے بڑے لوگوں کو حاصل ہے، اس مقام کی تشریح مشکل ہے۔ البتہ ایک مشہور جملہ ہے: ''حسنات الأبرار سيئات المقربين.'' اس جملے میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ابرار ایک کام کرتے ہیں تو وہ اُن کے لیے حسنہ ہے؛ لیکن وہی کام اگر مقربین کریں تو وہ حسنہ نہیں، بلکہ ان کے لیے سیئہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد آپ کے ذہنوں میں ہوگا کہ: ''ما عرفناك حقَ معرفتك'' آپ کے پہچاننے کا جو حق ہے، ہم اس تک نہیں پہنچے، اس حق تک پہنچیں گے جب اس کا خاص وقت آئے گا اور وہ وقت ہے مرنے کے بعد قبر کی زندگی یعنی عالم برزخ میں۔ یہ معرفت بڑھتی چلی جائے گی اور پھر میدانِ حشر میں بھی بڑھے گی، پھر جنت کی ابدی زندگی میں بڑھتی چلی جائے گی، حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ جنت میں پہنچنے کے

ایک لمبے عرصہ بعد جو علوم حاصل ہوں گے وہ درجہ تو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے۔ جس درجے میں امانت اٹھائی، اسی درجہ میں حق ادا کریں!

اس تفصیل کے عرض کرنے کا مقصد یہ جاننا ہے کہ آپ حضرات کس درجہ میں ہیں؟ یہ جو امانت اٹھائی ہے سبھی انسانوں نے اٹھائی ہے، آپ نے بھی اٹھائی ہے، ہم نے بھی اٹھائی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ ہم نے کس درجہ میں وہ امانت اٹھائی ہے؟ اگر ہم اس درجہ کا حق ادا کریں گے، تو سرخرو ہوں گے۔ اگر اس درجہ کا حق ادا نہیں کریں گے تو ناکام رہیں گے۔ اگر ہم مقربین میں ہیں اور ابرار والے حسنات کر رہے ہیں، تو آپ کے لیے کافی نہیں، وہ تو آپ کے لیے سیئات بن جائیں گی۔ آپ مقربین میں ہیں تو مقربین والا عمل کرنا ہوگا، اس کو سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ علم کا سب سے نچلا درجہ فرض عین ہے، جس کی تحصیل ہر انسان پر لازم ہے، یہ جو فرضِ عین ہے اس کے بھی درجے ہیں، پھر اس کے اوپر جو درجہ ہے وہ فرضِ کفایہ ہے اور آپ جو کچھ حاصل کر رہے ہیں وہ فرضِ کفایہ کا اونچا درجہ ہے، پہلے جو تعلیمی صورت حال تھی اس کے مقابلہ میں صورت حال بدل گئی ہے اور اب آپ جیسے طلبہ کے لیے بھی نگرانی متعین کرنی پڑتی ہے۔

حضرت علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ کے استغراقِ علم کا واقعہ

موتی سمندر کے اوپر نہیں ملتے۔ (اس کے بعد حضرت پالن پوری صاحبؒ نے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ!)

حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلیؒ ایک روز کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے، دورانِ مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے دوران ذہن کسی اور طرف کیسے گیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے ارنڈی کا تیل جو وہاں رکھا ہوا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحیٔ صاحب نے گلاس منہ میں لگایا، تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی؟ اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے، والد کی فکر دور ہوئی اور کہا کہ اُمید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے؛ اس لیے صاحبزادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا۔

(اس واقعہ سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا:)

میرے عزیزو! آپ کا مقام یہ ہے کہ آپ ایک ماہر غواص بن جایئے، جو اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ دنیا و مافیہا سے وہ بے خبر ہو جائے، اسے کچھ پتہ نہیں کہ ٹائم کیا ہوا ہے؟ ایسے دماغ کے ساتھ کسی چیز کی گہرائی میں اُترے گا تو موتی ملیں گے۔ موتی سمندر کے اوپر نہیں ملتے جب تک آپ غوطہ لگا کے گہرائی میں نہیں جائیں گے، تب تک نہیں ملے گا اور جو گہرائی میں جائے گا اسے اس وقت دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہونا پڑے گا، شمع علم کے لیے پروانہ وار نثار ہونا سیکھیے! تو آپ کا مقام یہ ہے، اس کو پرانے فضلاء جانتے تھے۔ آج صورت حال تو

زمانے کے ساتھ تبدیل ہوئی وہ افسوسناک ہے؛ لیکن یہ صورت حال سو فیصد نہیں بدلی، بلکہ الحمد للہ آج بھی ہمارے طبقہ میں ایسے ممتاز فضلاء ہیں جو اپنے مقام کو پہچانتے ہیں اور اپنے مقام کے مناسب محنتیں کرتے ہیں، آج اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آج آپ حضرات کے لیے ان بزرگوں کی برکت سے ہمہ جہت آرام وسکون میسر فرمایا ہے، آپ کے پاس بہترین بیڈ ہیں۔ شاندار کھانے ہیں، اُڑانے کے لیے وظیفے ہیں، ایسی کوئی راحت نہیں جو آپ کو حاصل نہیں، لیکن آپ ان راحتوں سے مولانا فرنگی محلیؒ کا مقام حاصل کرنا چاہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مقام حاصل کرنا چاہیں ناممکن ہے، وہ مقام تو حاصل ہوتا ہے جد وجہد سے اور علم کے پیچھے مر مٹنے سے اور اس کے پیچھے اپنی تمام توانائیاں صرف کرنے سے اور ہر چیز کی گہرائی میں اُترنے سے۔

مستقبل کے اکابر

ہماری آنکھیں تو کل بند ہوجانے والی ہیں، آنے والی دنیا کی زمام آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ مستقبل کے اکابر ہیں۔ اس لیے میرے بھائیو! اپنا مقام پہچانو، اپنے وقت کی قدر کرو! جس مقصد کے لیے آپ یہاں آئے ہیں اس کو حاصل کیجیے، ہوش کے ناخن لیجیے، اپنی گتھیاں سلجھائیے، علم میں گیرائی اور گہرائی پیدا کیجیے! فقاہت سے حظِ وافر حاصل کیجیے، اساتذہ کی قدر کیجیے، ان سے خوب استفادہ کیجیے اور منزل کی طرف رواں دواں رہیے۔ منزل دور نہیں ہے۔ منزل آپ کا انتظار کر رہی ہے کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے امانت اٹھائی ہے اور امانت اٹھانے کا بہت اونچا مقام اور درجہ ہے، لہٰذا آپ نے جس درجہ میں امانت اٹھائی ہے اسی درجہ میں اس کا حق ادا کیجیے۔ اللہ نے آپ حضرات کو اعلیٰ درجہ کی استعدادیں دی ہیں اور آپ پر بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔ ہماری آنکھیں تو کل بند ہوجانے والی ہیں۔ آنے والی دنیا کی زمام آپ کے ہاتھ میں ہے، آج آپ اپنے کو تیار نہیں کریں گے؛ کل کی راہنمائی کے قابل اپنے آپ کو نہیں بنائیں گے؛ تو امت کی گاڑی کیسے چلے گی؟ دین کی محنتیں کون کرے گا؟ دین کا صحیح مفہوم جو حضور ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کیا، صحابہؓ سے تابعینؒ نے حاصل کیا اور نسلاً بعد نسلٍ وقرناً بعد قرنٍ، اُمتاً بعد امۃٍ جو امانت چلی آرہی ہے، دین کا جو صحیح فہم چلا آرہا ہے، اسے حاصل کرنا دین میں فقاہت پیدا کرنا؛ یہی آپ کی زندگیوں کا مقصد ہے۔

میں اُمید کروں گا کہ آپ حضرات اپنے اس مقصد کو سمجھیں گے، اپنے مقام ومرتبہ کو سمجھیں گے، وقت کو ضائع کرنے سے بچیں گے۔ اللہ آپ کے علم میں برکت عطا فرمائے اور اوقات میں برکت عطا فرمائے اور اللہ آپ کو اس قابل بنائے کہ آنے والی امت کی آپ حضرات قیادت کرسکیں اور دین کی امانت جو آپ حضرات کے سپرد ہے، آپ اس کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کردیں، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین!

(بشکریہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حسنِ اخلاق!
سرمایۂ زندگی

مولانا محمد راشد شفیع
فاضلِ جامعہ

حسنِ اخلاق کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ہے، حسنِ اخلاق وہ قابلِ قدر جوہر ہے جو انسانی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کرسکتا ہے اور اس کی وجہ سے نفرت محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور سخت ترین جانی دشمن بھی انسان کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ حسنِ اخلاق صرف اس چیز کا نام نہیں ہے کہ کسی انسان سے خندہ پیشانی سے پیش آیا جائے یا مسکرا کر بات کی جائے، بلکہ یہ اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، چنانچہ قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی، ماں باپ کی فرمانبرداری، نرم گفتگو، حلم و بردباری، عفو و درگزر، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، دیانت و امانت، عہد کی پاسداری، مصائب پر صبر، نعمتوں کا شکر، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، بھائی چارہ، ایک دوسرے کی جان، مال، عزت و آبرو کا تحفظ، باہمی ہمدردی و غمخواری، ایثار کا جذبہ، یہ سب حسنِ اخلاق کے زمرے میں آتا ہے، بلاشبہ حسنِ اخلاق انسان کی زندگی کا قیمتی اَثاثہ اور بیش بہا سرمایہ ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سورۃ القلم میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ‘‘ (القلم:۴)

ترجمہ: ’’اور بیشک آپ (ﷺ) اخلاقِ (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔‘‘ (بیان القرآن)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ’’خلق سے مراد دینِ عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک دینِ

اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ''آپ کا خلق خود قرآن ہے۔'' یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے، آپ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ: ''خلق عظیم'' سے مراد آداب القرآن ہیں۔'' یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاقِ فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرما دیے تھے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعثت لأتمّم مكارم الأخلاق''، یعنی ''مجھے اس کام کے لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔'' (معارف القرآن، ج:۸،ص:۵۳۲)

دوسرے مقام پر ارشادِ باری ہے:

ترجمہ: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ معافی کو اختیار کیجیے، بھلی باتوں کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجیے!'' (الاعراف:۱۹۹)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو معاف کیجیے اور درگزر سے کام لیجیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (المائدۃ:۱۳)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حسنِ اخلاق اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک دوسرے کی جان لینے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان دینے والے بن گئے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ذیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کے چند واقعات ہدیہ قارئین ہیں:

❶- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے پورے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا اور میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسنِ اخلاق کے حامل تھے۔''

(بخاری ومسلم)

❷- حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ:

''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو ہم

اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ نبی کریم ﷺ بدگو نہ تھے اور نہ آپ بدزبان تھے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔'' (بخاری، کتاب الادب)

❸ - عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ:

''رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان کے مہینے میں تو سب دنوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ جب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی پیغمبری کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی انس ؓ سے کہا کہ وادی مکہ کی طرف جاؤ اور اس شخص کی باتیں سن کر آؤ۔ جب وہ واپس آئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ وہ صاحب تو اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔'' (بخاری، باب حسن الخلق)

❹ - حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ:

''ہم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ ہم سے باتیں کر رہے تھے، اسی دوران انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نہ بدگو تھے، نہ بدزبانی کرتے تھے (کہ منہ سے گالیاں نکالیں) بلکہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔'' (بخاری، باب حسن الخلق)

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکت ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے، اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانا ہر مسلمان پر ضروری ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی سو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی سو اس نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی۔'' (متفق علیہ)

اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہم سب کے لیے یہی ہیں کہ ہم حسنِ اخلاق کی سیرت کو اپنائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اعلان برائے قارئینِ بینات

قارئینِ بینات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ سے ماہنامہ بینات کا زرِ سالانہ مبلغ 800 (آٹھ سو روپے) ہوگا۔ ماہنامہ بینات کے پرانے اور نئے خریدار آئندہ سال کے لیے اسی حساب سے رقم بھجوائیں۔ **(ادارہ بینات)**

’’مصابیح السنۃ‘‘ کی شرح ’’المیسَّر‘‘
اور اُس کے مصنف حافظ تورپشتیؒ (ت:۶۶۱ھ) کا تعارف

مولوی محمد زبیر
متعلم تخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

’’مصابیح السنۃ‘‘، تعارف و اہمیّت

’’مصابیح السنۃ‘‘ متونِ حدیث کی کتابوں میں مشہور ومعروف کتاب ہے، جس کو امام بغوی شافعیؒ (متوفی:۵۱۶ھ) نے احادیث کی معروف کتابوں سے دینِ اسلام کے مختلف شعبوں کے متعلق احادیث کا انتخاب کر کے ابواب کی شکل میں مرتب کیا، اختصار کے پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے سند کو حذف کیا، خال خال ہی کسی مقام پر راوی کا نام ذکر کیا، کتاب میں احادیث کو جامع کتابوں کے طرز پر مرتب کر کے ہر باب کو دو فصلوں میں تقسیم کیا، ایک فصل میں ’’صحاح‘‘ یعنی بخاری ومسلم کی روایت کردہ احادیث کا ذکر کیا، اور دوسری فصل میں ’’حسان‘‘ یعنی نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ کی مرویات کا ذکر کیا۔ صاحبِ مصابیح کی یہ تقسیم ’’صحاح‘‘ اور ’’حسان‘‘ ان کی اپنی اختیار کردہ اصطلاح ہے، جس کو کسی نے عام طور پر محدثین نے تسلیم نہیں کیا، اس لیے کہ جس طرح بخاری ومسلم ’’صحاح‘‘ پر مشتمل ہیں، ایسے ہی حسن احادیث بھی ان میں پائی جاتی ہیں، اور باقی کتابوں کی مرویات کو حسن کا نام دے کر ذکر کیا ہے، باوجود یہ کہ ان میں حسن کے علاوہ صحیح کی بھی وافر مقدار پائی جاتی ہے، لہٰذا صحیح وحسن سے محدثین کے ہاں مشہور اصطلاح مراد نہیں ہے، بلکہ موصوف کی اپنی اختیار کردہ اصطلاح ہے، اور انہوں نے اپنی کتاب کو اسی اصطلاح کے تحت مرتب کیا ہے۔

موصوف کی کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت سے نوازا، محدثینِ عظام نے اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ خطیب تبریزیؒ نے استدراک کر کے مزید ایک فصل کے اضافہ کے ساتھ راوی کے نام کا التزام کرتے ہوئے کتابوں کے نام بھی ذکر کیے، کسی نے اس عظیم کتاب کے حواشی لکھے، تو کسی نے روایات کی تخریج کر کے اس کتاب کی خدمت میں حصہ لیا، اسی سلسلہ کی کڑی میں امام وحافظ، فقیہ ومحدث شہاب

الدین فضل اللہ بن حسن تورپشتیؒ (متوفی:۶۶۱ھ) نے اس کتاب کی خدمت میں حصہ لیتے ہوئے ایسی عظیم شرح لکھی جو شارحین حدیث کے لیے ایک مصدر ومرجع بن گئی، ذیل میں اس عظیم شارح کی سوانح حیات اور شرح کے بارے میں مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مستعار پر ایک سرسری نگاہ

فضل اللہ نام ہے، شہاب الدین لقب، کنیت ابوعبداللہ اور تورپشتی تورپشت نامی جگہ کی طرف نسبت ہے جو موصوف کی جائے پیدائش ہے۔ اہلِ تراجم وسیر نے پورا نام ونسب ''فضل اللہ بن حسن بن حسین بن یوسف تورپشتی'' بیان کیا ہے۔ (۱)

ولادت اور تعلیم وتربیت

''تورپشت'' نامی بستی میں موصوف کی ولادت ہوئی، یہ بستی ''کرمان'' میں ''یزد'' کے جنوب مغربی جانب ۲۵ رکلومیٹر پر سنگ مرمر کی کان کے پاس تین چارسوافراد کی ایک چھوٹی سی بستی ہے، جو زیادہ تر سنگتراش افراد پر مشتمل ہے، (۲) اور ''شیراز'' کے مضافات میں واقع ہے، چنانچہ علامہ سبکیؒ صاحب (متوفی:۷۷۱ھ) ''طبقات الشافعیة الکبریٰ'' میں (۸/۳۴۹) رقم طراز ہیں کہ موصوف ''شیراز'' کے محدث وفقیہ ہیں۔ تاریخ ولادت کے بارے میں کہیں تاریخی مصادر میں ذکر نہیں ملتا ہے، البتہ ایک دینی گھرانہ میں ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی شرح میں اپنے والد کی سند سے ایک روایت ذکر کی ہے، مزید اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد صاحب علم کے ساتھ حدیث میں مقام رکھتے تھے، اس لیے تورپشتی صاحبؒ ان کی سند سے روایت اپنی شرح میں لائے ہیں، ورنہ ہر کس وناکس کی روایت ذکر نہیں کی جاتی ہے۔ (۳)

ابتدائی تعلیم کے بعد ''شیراز'' کے بڑی اہلِ علم شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور مزید علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے ''ہمذان'' شہر کا رخ کیا، جس کی طرف اشارہ موصوف کی ایک روایت سے ملتا ہے، جو انہوں نے اپنی شرح کے مقدمہ (۱/۳۱) میں شیخ شہاب الدین عبدالوہاب (جامع مسجد عتیق کے امام) سے ذکر کی ہے، اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض محدثین سے ''ہمذان'' میں سنا ہے۔ (۴)

تورپشتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ حرمین شریفین میں بھی گزارا ہے، جیسا کہ شرح کے ''کتاب الصلوات'' کے ''باب المواقیت'' (۱/۱۸۱) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، تو اس میں یہ امکان ہے کہ انہوں نے وہاں کے بڑے بڑے شیوخ واساتذہ سے فیض حاصل کیا ہو، اور کئی تشنگانِ علومِ نبوت نے موصوف سے بھی خوشہ چینی کی ہوگی۔

شیوخ واساتذہ

حافظ تورپشتیؒ کی تبحرِ علمی، علومِ شریعت میں مہارتِ تامہ، حدیث وفقہ میں ملکہ، علمِ کلام وتصوف میں یدِطولیٰ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انہوں نے بہت سارے شیوخ سے سیرابی حاصل کی ہوگی، لیکن مصادرِ تاریخ میں بہت ہی گنی چنی شخصیات کا ذکر آتا ہے، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-والد محترم ابوسعید حسن بن حسین بن یوسف تورپشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ہے۔

۲-ابوغانم مہذب بن حسین سے ایک روایت ''كتاب القدر'' (۱/ ۵۳) میں روایت کی ہے۔

۳-عبدالوہاب بن صالح جامع مسجد عتیق، ہمذان کے امام سے بخاری روایت کی ہے، جس کا تذکرہ موصوف کے مقدمہ سے (۱/۳۱) ملتا ہے۔

۴-ابوعبداللہ محمد بن محمد بن غانمؒ سے ''كتاب الإيمان'' (۱/ ۵۳) میں ایک روایت بطورِ اجازت لی ہے۔

۵-شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے تصوف میں کسبِ فیض کیا۔ (۵)

درس وتدریس کی خدمات

غالب گمان یہی ہے کہ حافظ تورپشتی صاحبؒ نے تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد درس وتدریس کا آغاز کیا ہوگا، اگرچہ مصادر ومراجع میں تاریخ وسن کی کوئی تعیین نہیں کہ کب انہوں نے تدریس کی ابتدا کی؟ لیکن مصابیح السنة کی شرح ''شیراز'' کے طلبہ کے اِصرار پر لکھی تھی، جس کی وضاحت خود انہوں نے مقدمہ (۱/ ۲۹) میں کی ہے، موصوف کی تصریح سے معلوم ہوجاتا ہے کہ انہوں نے تدریسی خدمات کا بڑا سلسلہ شیراز میں انجام دیا، گوکہ عمر کے آخری حصہ میں ''کرمان'' منتقل ہوگئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے بڑا عرصہ درس دیا ہوگا کہ طلبہ ان سے واقف ہوئے کہ حافظ تورپشتیؒ ''مصابيح السنة'' کی مشکلات کی تسہیل کرسکتے ہیں اور وہ اس میدان کے کہنہ مشق آزمودہ تجربہ رکھنے والی شخصیت ہیں، ورنہ واقفیت اور طویل تجربہ کے بغیر طلبہ مطالبہ کیسے کرتے؟!

حافظ تورپشتیؒ کے معروف تلامذہ

افسوس ہے کہ طویل عرصہ تدریسی وتالیفی خدمات کے باوجود تاریخ کے اوراق میں بس چیدہ چیدہ تلامذہ کا ذکر دیکھنے کو ملتا ہے، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-مجد الدین آپ کے صاحبزادے ہیں، تصوف وتزکیہ میں استفادہ کرکے آپ کے انتقال کے بعد سجادہ نشین بنے۔

۲- شیخ صدر الدین مظفر بن محمد عمری عدویؒ، صاحبِ ''التلويح في شرح المصابيح'' ہیں۔

۳- امیر اصیل الدین عبداللہ بن علی عدوی محمدیؒ۔

۴- رشید محمد بن ابی القاسم مقریؒ، جن سے رودانیؒ نے ''مصابيح'' کی شرح روایت کی ہے۔ (۶)

تالیفی وتصنیفی خدمات

حافظ تورپشتیؒ محقق، مدقق، فقیہ، اصولی، مفسر کے ساتھ تصنیف ومیدان کے صرف شہسوار نہیں تھے، بلکہ سرخیل تھے۔ عربی وفارسی زبان پر اچھی طرح عبور حاصل تھا، دونوں زبانوں میں گرانقدر تالیفی خدمات ہیں، مختصر تعارف کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں:

۱- ''الأربعين'': جس کا تذکرہ حافظ سخاویؒ (متوفی ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب ''الضوء اللامع'' میں کیا ہے۔ (۷) یہ کتاب جلد ہی شیخ عثمان بن فیروز کی تحقیق سے مکتبہ اسماعیل برطانیہ سے چھپ جائے گی۔

۲- ''مطلب الناسك في علم المناسك'': اس کتاب میں حج کے مسائل کا بیان ہے، جس میں چالیس ابواب مرتب کیے ہیں۔ (۸) اور اس کتاب کا حوالہ شرح میں کئی جگہ دیا ہے، مکتبہ اسماعیل برطانیہ سے سید ابن محمد السناری کی تحقیق سے چھپ گئی ہے۔

۳- ''تحفة السالكين'': یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، جس میں اعتقادات ومعاملات کے ساتھ اخلاق وآداب پر بحث ہے، پھر اس کا اختصار کرکے ''تحفة المرشدين'' کا نام رکھا۔ (۹)

۴- المعتمد فی المعتقد: یہ فارسی زبان میں عقائد پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ (۱۰) اردو زبان میں مولانا اختر محمد خان حنفی نے ترجمہ کیا ہے، اور مختلف مکتبات سے ہندو وپاک، ایران میں شائع ہوچکی ہے، عربی زبان میں استاذ محترم مولانا محمد انور بدخشانیؒ (متوفی ۱۴۴۶ھ) نے ترجمہ کیا، جو ابھی تک غیر مطبوع ہے۔

۵- قرآن کریم کی تفسیر: حافظ تورپشتیؒ نے ''الميسر شرح مصابيح السنة'' (۴/ ۱۳۶۲) کے اختتام میں خاص منہج واُسلوب کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کا ارادہ ظاہر کیا ہے، لیکن زندگی نے وفا نہیں کی اور یہ عظیم کام حسرت ہی رہ گئی۔

حافظ تورپشتیؒ کی وفات

اخیر عمر میں ''شیراز'' سے کرمان آگئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی، البتہ سنِ وفات میں اہلِ سیر وطبقات کا اختلاف ہے، لیکن بظاہر درست وہ ہے جو ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے والد صاحب کے خطی نسخے کے آخر میں ۶۶۱ ہجری کی تاریخ ذکر کی ہے (۱۱)۔ اور اسی تاریخ پر اعتماد ملا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے

''طبقات'' (۲/ ۵۴۵) میں، علامہ خیر الدین زرکلیؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ) نے ''الأعلام'' میں [۱۲]، مولوی فقیر محمد جہلمیؒ (۱۹۱۶ء) نے ''حدائق الحنفیة'' میں [۱۳] اور مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحبؒ (متوفی ۱۴۴۲ھ) نے فوائدِ جامعہ (۲۸۷) میں کیا ہے۔

''المیسّر في شرح مصابیح السنة'' ایک تعارف

کتاب کا نام اور مصنف کی طرف نسبت: حافظ تورپشتیؒ کی طرف کتاب کی نسبت میں کوئی تردد نہیں، اس لیے کہ تمام اہلِ سیر وطبقات نے کتاب کی نسبت موصوف کی طرف کی ہے۔ [۱۴] اور مزید برآں یہ کہ شارحینِ حدیث عام طور پر اور ''مشکاة المصابیح'' کے شارحین بالخصوص ان کی طرف نسبت کرتے آرہے ہیں۔

کتاب کے اختتام پر ''باب ثواب هٰذه الأمة (۴/ ۱۳۶۲)'' میں نام کی تصریح کی ہے کہ میں نے مذکورہ شرح کا نام (المیسّر) رکھا ہے۔ اسماعیل پاشا بغدادیؒ نے ''هدیة العارفین'' میں (في شرح المصابیح) کا اضافہ کیا ہے، ابھی اسی نام سے شہرت ہے۔ [۱۵]

المیسّر کی وجہ تالیف: حافظ تورپشتیؒ نے ''شیراز'' کے تلامذہ کی خواہش پر ''مصابیح'' کی شرح کا آغاز کیا، جس کی طرف اشارہ مقدمۂ کتاب میں پایا جاتا ہے، البتہ تاریخ معلوم نہیں کہ شرح کی ابتدا کب ہوئی؟ اور اختتام کی تاریخ کتاب کے آخر سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ موصوف رقم طراز ہیں: ''وقع الفراغ من إنشاء هذا الكتاب في آخر جزء من یوم الجمعة لسادس من صفر سنة ستین وستمائة'' (۴/ ۱۳۶۴) یعنی: ''کتاب کے آخری حصہ سے فراغت جمعۃ المبارک کے دن ۶ر صفر المظفر ۶۶۱ ہجری کو ہوئی۔''

کتاب کے محقق طبعات: ''المیسر في شرح المصابیح'' کے متعدد خطی نسخے ہیں، سب سے پہلے اس کتاب کی تحقیق عبدالحمید ہنداوی نے کی، اور کتاب کو مخطوط سے مطبوع کی شکل میں مکتبہ نزار مصطفیٰ باز سعودی عرب سے شائع کیا، لیکن اس میں جابجا کچھ کلمات اور جملوں کا سقوط ہے جو بسا اوقات عبارت کے سمجھنے میں خلل کا باعث ہوتا ہے، پھر ان کے بعد فہد ابن ابراہیم بن عبداللہ شمسان نے ایک حصہ پر محمد بن سعود یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں ''کتاب الأسامي'' کے ''باب الآداب'' سے لے کر ''کتاب الفتن'' کے ''باب لا تقوم الساعة إلا علی الأشرار'' تک تحقیق وتعلیق کی، اس حصہ میں جابجا عبدالحمید ہنداوی کی تحقیق کی فروگزاشتوں کی طرف بھی تنبیہ کی ہے، لیکن چونکہ یہ کام نامکمل تھا، بنابریں شیخ حامد محلاوی نے پوری کتاب پر تحقیق کی جو قریب ہی میں معروف طباعتی ادارے ''الأسفار'' سے چھپ رہی ہے، اُمید ہے کہ اس ایڈیشن میں پچھلے طبعات میں واقع تسامحات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

''المیسر'' محدثین کی نظر میں: حافظ تورپشتی صاحبؒ کی ایک عمدہ شرح ہے، جس میں حدیث کی

شرح مختصر ہے، لیکن بلیغ اور دقیق نکات ولطائف کا ایک گنجینہ ہے، جس سے استفادہ بڑے شارحین حدیث نے کیا ہے، علامہ سبکیؒ (متوفی ۷۷۱ھ) ''طبقات الشافعية'' (۳۴۹/۸) میں رقم طراز ہیں: ''حافظ تورپشتی ؒ نے مصابیح کی بڑی عمدہ شرح کی ہے۔''

ملا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ''حافظ تورپشتی ؒ نے مصابیح کی بڑی اچھی شرح کی ہے، جو بڑے فوائد اور دقیق مباحث پر مشتمل ہے، جس کو طیبیؒ اپنی شرح ''مشكاة المصابيح'' میں نقل کرتے ہیں اور ہم نے بھی اپنی شرح ''المرقاة على المشكاة'' میں نقل کی ہیں، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ حافظ تورپشتی ؒ ''مصابيح السنة'' کے اولین شارح ہیں۔ (۱۶)

علامہ، مفسرِ قرآن شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۹۷۴ء) نے ''مشكاة المصابيح'' کی شرح ''التعليق الصبيح'' کے مقدمہ میں اس شرح کی تعریف یوں کی ہے: ''میرا اکثر وبیشتر اعتماد اپنی شرح میں شیخ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین حنفی کی ''شرح مصابيح السنة'' پر ہے، بخدا یہ ایک عمدہ شرح اور تصنیف لطیف ہے جو حسین فوائد پر مشتمل ہے، اور عمدہ معانی اس میں پنہاں ہیں، جن کو اس سے پہلے ابن آدم اور نہ جنات کا ہاتھ تک لگا ہے۔'' (۱۷)

محققِ کبیر ڈاکٹر مولانا محمد عبدالحلیم چشتی ؒ (متوفی ۱۴۴۲ھ) اپنی معرکہ آراء کتاب فوائد جامعہ شرح بر ''عجالہ نافعہ'' میں فقہاء ومحدثین (۲۸۷) کے تذکرہ میں حافظ تورپشتی ؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''موصوف کو شرحِ حدیث میں امامت کا درجہ حاصل ہے، ان کی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، نکتہ آفرینی سب کے نزدیک مسلم ہے۔''

کتاب کا منہج واسلوب: حافظ تورپشتی ؒ نے مقدمہ میں اجمالی طور پر اپنے منہج واسلوب کی طرف اشارے کیے ہیں کہ وہ صرف ''مصابيح السنة'' میں مشکل احادیث کی شرح کریں گے، اور ائمہ کے مذاہب اور دلائل سے بحث نہیں کریں گے، لیکن اگر ایک حدیث کی فہم وتفہیم ائمہ کے مذاہب بیان کیے بغیر حل نہیں ہوسکتی تو پھر اس کو بیان کریں گے، اور ایسے مقامات کے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ (متوفی ۸۵۲ھ) نے قاضی علاء الدین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حافظ سبکیؒ (متوفی ۷۷۱ھ) کے حافظ تورپشتی ؒ کو ''طبقات الشافعية'' میں ذکر کرنے کی تردید کی ہے، اور قاضی صاحبؒ نے وجہ یہ بیان کی ہے کہ موصوف کی شرح سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حنفی المسلک ہیں۔ (۱۸) اسی غلط فہمی کا ازالہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ؒ (متوفی ۱۴۴۲ھ) نے یوں کیا ہے: ''علامہ سبکیؒ بھی پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ''طبقات الشافعية'' میں ان کا تذکرہ دو چار سطروں سے زیادہ نہ کرسکے، لیکن ''طبقات الشافعية'' میں ان کا تذکرہ کردینے کی وجہ سے علامہ تورپشتی ؒ

کا شمار فقہاء شافعیہ میں ہونے لگا، حالانکہ موصوف وسیع النظر اور دقیقہ سنج حنفی تھے، چنانچہ ان کی کتابیں اس امر کا بیّن ثبوت ہیں۔‘‘(۱۹)

کتاب کی امتیازی خصوصیات

کتاب کی اہم امتیازی خصوصیات مختصر طور پر درج ذیل ہیں:

❶-کتاب میں شرحِ حدیث پر مطلق توجہ مرکوز کی گئی ہے، باقی ائمہ کے اختلافات ودلائل سے بحث نہیں کی گئی، اگر کہیں شرحِ حدیث کے ضمن میں ائمہ کے مذاہب کے بیان کی ضرورت محسوس کی گئی تو وہاں پر بیان کیا۔

❷-احادیث کی شرح: قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے اقوالِ مبارکہ کی روشنی میں حل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، جو واضح طور پر جابجا نظر آتا ہے۔

❸-اگر کہیں بظاہر آیت اور حدیث میں یا مختلف روایات میں تعارض کی صورت پیش آسکتی تھی، تو اس کے ازالہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

❹-اگر حدیث میں کوئی مبہم نام ہے یا راویوں میں کوئی ابہام ہو تو اس کی تعیین بھی کرتے ہیں۔

❺-’’مصابیح السنة‘‘ کے مختلف نسخوں کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ بعض نسخوں میں غلطیوں کی نشاندہی کر کے صحیح کو واضح فرماتے ہیں۔

❻-اگر کسی حدیث میں بظاہر فرقِ باطلہ کی تائید ہوتی ہے یا اس سے وہ لوگ اپنے باطل موقف پر استدلال کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اُصولِ مسلمہ سے ان کے استدلال کو توڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حافظ تورپشتیؒ سے شرحِ حدیث کا خوب کام لیا ہے، اور ان کے نام کو شارحینِ حدیث کے ناموں میں زندہ رکھا ہے، جس سے اُمید تام ہے کہ ان شاء اللہ اس جہاں میں بھی ان کے ساتھ اصحابِ حدیث کا معاملہ فرماتے ہوئے بلند درجات عطا فرمائیں گے، اللہ ہمیں بھی دین متین کی خدمت، خصوصاً خدماتِ حدیث بہرہ ور فرمائیں اور حدیث کو ہمارے لیے حرز جان بنائیں۔ وصلی اللہ وسلم علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین.

حواشی وحوالہ جات

١- ملاحظہ فرمائیں: السبكي، تاج الدين أبو نصر عبد الوهاب ابن تقي الدين (المتوفى:٧٧١ﻫ)، طبقات الشافعية الكبرى، تحقيق: محمود محمد طناجي، عبد الفتاح محمد حلو، الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزيع (٨/٣٤٩)

حاجی خليفة، كاتب چلپي، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، الطبعة: دار إحياء التراث العربي (١/٣٧٣)

النعماني، الجشتي، محمد عبد الحليم (المتوفى:١٤٤٢ھ)، الفوائد الجامعة شرح برعجالة نافعة، ناشر: مكتبة الكوثر، طبع سوم: ١٤٣٣ (٢٨٧)

٢- النعماني، محمد عبد الحليم (المتوفى: ١٤٤٢ھ) الفوائد الجامعة شرح برعجالة نافعة (٢٨٧)

٣-توربشتي، شهاب الدين، فضل الله بن حسن بن حسين بن يوسف (المتوفى:٦٦١ھ)، الميسر في شرح مصابيح السنة، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، ناشر: مكتبة نزار مصطفى المكة المكرمة، طبع دوم: ٢٠٠٨ء (١/١١٢)

٤- توربشتي، الميسر في شرح مصابيح السنة، تحقيق: فهد بن إبراهيم (٣٧)

٥-النعماني، الجشتي، محمد عبد الحليم (المتوفى:١٤٤٢ھ) البضاعة المزجاة لمن يطالع المرقاة، تحقيق: تسليم الدين، طبع: دار الكتب العلمية : ٢٠١٨ء (٣٩)

٦-مرجع سابق: (١٢١)

٧- سخاوي، شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن أبي بكر بن عثمان بن محمد (ت: ٩٠٢ھ) الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، ناشر: دار مكتبة الحياة، بيروت (٣/ ١٤٠)

٨- كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون (١٧١٩/ ٢)

٩-مرجع سابق:(١/ ٣٧٣)

١٠-مرجع سابق: (٢/ ١٧٣٣)

١١- توربشتي، شهاب الدين، فضل الله بن حسن (٦٦١ھ) الميسر في شرح مصابيح السنة، تحقيق: فهد بن إبراهيم بن عبد الله الشمسان، ناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، ٢٠٠٥ء (ص:٥١).

١٢- الزركلي، دمشقي، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، (ت: ١٣٩٦ ھ) الأعلام، ناشر: دار العلم للملايين (٥/ ١٥ ٢)

١٣-جهلمي، فقير محمد (المتوفى ١٩١٦م)، حدائق الحنفية، ناشر: مكتبة ربيعة (٢٣٥)

١٤-ملاحظہ فرمائیں: سبكي، تاج الدين أبو نصر عبد الوهاب ابن تقي الدين، (المتوفى٧٧١ھ) طبقات الشافعية الكبرى (٣٤٩/ ٨)،

حاجي خليفة، كاتب چلپي، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، (٣٧٣/ ١)،

طاشْكُبْري زَادَهْ، أحمد بن مصطفى بن خليل، أبو الخير، عصام الدين (ت ٩٦٨هـ)، مفتاح السعادة ومصباح السيادة في موضوعات العلوم (١٣٠/ ٢)،

القاري، علي بن سلطان (ت:١٠١٤هـ) الأثمار الجنية في أسماء الحنفية، تحقيق: عبد المحسن عبد الله أحمد، ناشر: مركز البحوث والدراسات الإسلامية بـ"ديوان الوقف السني" - العراق، الطبعة: الأولى، ١٤٣٠هـ - ٢٠٠٩ء، (١٠٤/ ١- ١٠٥)

١٥- البغدادي، إسماعيل باشا (ت:١٣٩٩ هـ)، هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين، طبع: دار إحياء التراث العربي، بيروت (١/ ٨٢١)

١٦- القاري، علي بن سلطان (ت ١٠١٤ هـ) الأثمار الجنية في أسماء الحنفية (١٠٤/ ١- ١٠٥)

١٧-الكاندهلوي، محمد إدريس (المتوفى:١٩٧٤ء)، التعليق الصبيح، الناشر: المكتبة العثمانية لاهور، (١/٥)

١٨- ابن حجر، أبو الفضل، عسقلاني، أحمد بن علي محمد أحمد بن حجر (٨٥٢ھ) تحقيق: محمد إبراهيم حفيظ الرحمٰن، ناشر: الدار السلفية (٦١)

١٩- فوائدِ جامعہ شرح برعجالہ نافعہ (٢٨٨)

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

حضور اکرم ﷺ کے تبدیل کردہ نام

مفتی سید انور شاہ

استاذ جامعہ بیت السلام، کراچی

یوں تو دیکھنے میں نام رکھنا ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ: ''نام میں کیا رکھا ہے؟'' ایسے لوگوں کو بطور اصلاح اگر کچھ کہا جائے تو سمجھتے ہیں کہ فلاں نام رکھنا، یا ناموں کو تبدیل کرنا کونسے مسئلے کی بات ہے؟ حالاں کہ شرعی نقطۂ نظر اور زمینی حقائق کی رو سے یہ انتہائی اہم بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی شخصیت اور کردار پر اچھے نام کے اچھے اثرات پڑتے ہیں، جبکہ برے نام کے ممکنہ برے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں، اس لیے شریعت نے معنی ومفہوم کے اعتبار سے اچھا نام رکھنے کا حکم دیا، تا کہ بچے کی زندگی کی شروعات کی پہلی اینٹ درست طور پر رکھی جائے۔

نام رکھنے کا مقصد محض تعارف اور پہچان نہیں، بلکہ درحقیقت مذہب کی شناخت اس سے وابستہ ہے۔ فکر وعقیدہ کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔

نومولود بچوں کے لیے عمدہ، دلکش، اور بامعنی نام جس سے اسلامی تشخص جھلکتا ہو تجویز کرنے، مہمل، بے معنی، غلط، اور برے معانی کے حامل نام سے احتراز کرنے کے متعلق شریعت کے مفصل احکام وہدایات موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں یہ موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کو نظر انداز کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں۔

یوں تو ناموں کا موضوع دوسرے مذاہب اور دیگر اقوامِ عالم میں بھی اہمیت کا حامل رہا ہے، لیکن شریعت نے جس باریک بینی سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے، اور اس کے متعلق مکمل رہنمائی فرمائی ہے، دنیا کے کسی بھی دوسرے مذہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضور پاک ﷺ کی نظر میں چونکہ ناموں کی غیر معمولی اہمیت تھی، اس لیے آپ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ جب کوئی اسلام قبول کرتا، اور اس کا نام قابلِ اصلاح ہوتا، تو آپ ﷺ نہایت اہتمام سے اس کے نام کی اصلاح فرماتے تھے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں:’’أن النبي أن يغير الاسم القبيح.‘‘یعنی رسول اللہ ﷺ برے ناموں کو اچھے ناموں سے بدلتے تھے۔(سنن الترمذي: ۵، ۱۱۴، باب في تغير الأسماء، ط: دار الرسالة العالمية)

اس سلسلے میں جناب کریم ﷺ کے تبدیل کردہ ناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:

عربی حروفِ تہجی کی ترتیب سے رسول اللہ ﷺ کے تبدیل کردہ چند نام اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

(الف)

أسود: کالا، گردآلود، تاریک۔

أبیض: أبیض کا معنی ہے سفید۔ایک صحابیؓ کا نام پہلے أسود تھا، آپ ﷺ نے ان کا نام بدل کر أبیض رکھ دیا۔مصر کے رہنے والے تھے۔[۱]

أکبر: (بہت بڑا) بشیر الحارثی ابوعصام رضی اللہ عنہ کا نام پہلے أکبر تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بشیر رکھ دیا۔[۲]

أصرم: (کاٹنے والا، قطع کلام وتعلق کرنے والا، کان کٹا) زرعہ شعری کا پہلا نام أصرم تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زرعۃ (کھیتی، بیج یعنی دوسروں کو نفع دینے والا) رکھ دیا۔اسی طرح سعید بن یربوع بن عنکثہ مخزومی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے أصرم تھا۔آپ ﷺ نے بدل کر سعید (نیک بخت، سعادت مند) رکھا۔[۳]

(ب)

بحیر: (وہ اُونٹ جس کا کان کٹا ہوا ہو، یا چھوٹا سمندر) عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے بحیر تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔کچھ لوگوں نے عبداللہ کا قدیم نام بحیر کے بجائے بجیر بتایا ہے۔ایسا ہی ایک دوسرے صاحب کا نام بحیر تھا، آپ نے بدل کر بشیر رکھ دیا۔[۴]

(ج)

الجبار: (اللہ تعالیٰ کا صفتی نام ہے) عبدالجبار ابن عبدالحارث رضی اللہ عنہ کا قدیم نام’’الجبار‘‘ تھا، رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام’’عبد الجبار‘‘ رکھ دیا۔[۵]

(ح)

الحباب: (شیطان کا نام) عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی بن سلول کا نام پہلے حباب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔ (۶)

حزن: (سخت زمین) سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے حزن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حزن کے بجائے سہل (نرم زمین) نام رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حزن بن ابی وہاب بن عمرو کا بھی نام تبدیل کرکے سہل نام رکھنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن انھوں نے تبدیل کرنے سے انکار کردیا۔ (۷)

الحصین: (محفوظ قلعہ یعنی ایسی محفوظ جگہ جس میں کوئی داخل نہ ہو سکے) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا پہلے نام حصین تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔ (۸)

الحکم: (فیصلہ کرنے والا) اللہ تعالیٰ کا صفتی نام ہے۔ عبداللہ بن سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے حکم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔ (۹)

(خ)

خیل: (گھوڑا) زید الخیر بن ملول طائیؓ کا نام زید الخیل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید الخیر (خیر کا زید) رکھ دیا۔ (۱۰)

(ذ)

ذؤیب: (ذئب کی تصغیر ہے، جو بھیڑیا کے معنی میں آتا ہے) عبداللہ بن ربیعہ خولانی رضی اللہ عنہ کا پہلے ذوئیب نام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (۱۱)

(س/ش)

سائب: (ہاتھ سے چھوٹ جانے والا، آزاد پھرنے والا) عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنی عدی سے تھا، آپ کا نام پہلے سائب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (۱۲)

شہاب: (آگ کا شعلہ) مسلم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام پہلے شہاب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم (فرماں بردار) رکھ دیا۔

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ کا نام بھی پہلے شہاب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ھشام (سخاوت) رکھ دیا۔ (۱۳)

شیطان: (سانپ، سرکش، شریر) عبداللہ بن قرط ازدی رضی اللہ عنہ کا نام شیطان تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھ دیا۔ (۱۴)

(ع)

عاص: (نافرمان) مطیع بن اسود عدی رضی اللہ عنہ کا نام العاص تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطیع (فرماں بردار) رکھ دیا۔ مسلم بن العلاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا بھی قدیم نام العاص تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر مسلم (فرماں بردار) رکھ دیا۔ (۱۵)

عبد الحارث: حارث کا بندہ (کسی چیز کے حاصل کرنے یا کاشت کرنے والا) عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بن زید بن صفوان کا قدیم نام عبدالحارث تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (۱۶)

عبد الحجر: (پتھر کا بندہ) عبداللہ بن مدان بن عمرو بن دیان رضی اللہ عنہ کا پہلا نام عبد الحجر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (۱۷)

عبدالعزیٰ: (عزیٰ بت کا بندہ) عثم بن ربعہ الجہنی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے عبدالعزیٰ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عثم رکھ دیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن ابوارشد ازدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی پہلے عبدالعزی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ عبدالعزیز بن بدر بن زید رضی اللہ عنہ کا نام بھی پہلے عبد العزیٰ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد العزیز کر دیا۔ عبداللہ بن بدر ابوبصیحہ جہنی کا نام بھی پہلے عبد العزیٰ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ان کا نام عبد اللہ کر دیا۔ (۱۸)

عبدشمس: (سورج کا بندہ) عبداللہ بن ابی عوف رضی اللہ عنہ کا نام پہلے عبدشمس تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد اللہ کر دیا۔ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا نام بھی عبدشمس تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن صخر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی پہلے عبدشمس تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن کر دیا۔

تاریخ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت سے مشہور ہے۔ (۱۹)

عبدالکعبة: (کعبہ کا بندہ) عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام پہلے عبدالکعبة تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ اپنی کنیت ابوبکر سے مشہور ہیں۔ آپ کا لقب الصدیق ہے۔ (۲۰)

عبدالرحمٰن بن عوام رضی اللہ عنہ کا نام بھی زمانۂ جاہلیت میں عبد الکعبة تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر

عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ (۲۱)

عزیز: (غالب آنے والا، اللہ تعالیٰ کا صفتی نام ہے) عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ یزید بن مالک الجعفی رضی اللہ عنہ کا نام پہلے عزیز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اسی طرح عبدالعزیز بن یوسف الحمیری رضی اللہ عنہ کا پہلے نام عزیز تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے عبدالعزیز کر دیا۔ (۲۲)

عصیة: (عاص کی تصغیر ہے) عصمہ بن قیس سلمی رضی اللہ عنہ کا پہلا نام عصیة تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عصمة رکھ دیا۔ عصمة محفوظ کے معنی میں آتا ہے۔ (۲۳)

(غ)

غافل: (غفلت برتنے والا) عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ کا پہلا نام غافل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر عاقل (عقل مند) رکھ دیا۔ (۲۴)

غراب: (کوا) مسلم ابورائطہ رضی اللہ عنہ کا پہلا نام غراب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم رکھ دیا۔ (۲۵)

(ف)

فلان: (کسی شخص کے لیے بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے) منذر بن ابی المنذر رضی اللہ عنہ کا پہلا نام فلان تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر منذر (ڈرانے والا) رکھ دیا۔ (۲۶)

(ق/ک/م)

قلیل: (تھوڑا، کم) کثیر بن صلت بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کا پہلا نام قلیل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر کثیر (زیادہ) رکھ دیا۔ (۲۷)

کلاح: (ترش رو ہونا، تیوری چڑھا ہوا ہونا) ذویب بن شعثم عنبری کا نام پہلے الکلاح تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ذویب رکھ دیا۔ (یعنی چوٹی والا) آپ کی دو لمبی چوٹیاں تھیں، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھ دیا۔ (۲۸)

المالك: (اللہ کا صفتی نام ہے) شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ کا پہلا نام مالک تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر شرید رکھ دیا۔ (۲۹)

مقسم: مسلم بن خیشنہ رضی اللہ عنہ کا پہلا نام مقسم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر مسلم رکھ دیا۔ (۳۰)

(ن)

نشبة: عتبہ بن عبد سلمی کا پہلا نام ''نشبة'' (کسی کام میں پھنس کر نہ نکلنے والا) تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عتبة (دہلیز، سیڑھی، درگاہ) رکھ دیا۔ (۳۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبدیل کردہ قبائلی نام

بنو عبد العزیٰ: (عبد العزیٰ کی اولاد) بنو عبد اللہ بن غطفان کا پہلا نام بنو عبد العزیٰ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد اللہ رکھ دیا۔ (۳۲)

بنو الزنیة: (زنا سے پیدا شدہ اولاد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو الزنیة کا نام بدل کر بنو رشدة (ہدایت یافتہ لوگ) رکھ دیا۔ (۳۳)

بنو مغویة: (راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مغویة کو بدل کر بنو رشدة (ہدایت یافتہ لوگ) رکھ دیا۔

بنو الضلالة: (سیدھے اور حق راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ) جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو الضلالة کا نام بدل کر شعب الهدی (ہدایت یافتہ لوگ) رکھ دیا۔ (۳۴)

بنو الصماء: (کان سے نہ سننے والا یعنی نافرمان) بنو مالک بن نوذان بن عمرو بن عوف کو بنو الصماء کے نام سے پکارے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر بنو سمعیه (سننے والے یعنی اطاعت کرنے والوں کی اولاد) رکھ دیا۔ (۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبدیل کردہ صحابیات کے نام

عاصية: (نافرمان) مطیعہ بنت نعمان بن مالک رضی اللہ عنہا کا نام عاصية تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر مطیعة (اطاعت کرنے والی) رکھ دیا۔

جمیلہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا کا نام بھی عاصية تھا۔ آپ نے بدل کر جميلة (خوب صورت) رکھ دیا۔ جمیلہ بنت ثابت بن ابوافلاح کا نام بھی عاصية تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جميلة رکھ دیا۔ (۳۶)

برّة: (دین دار، نیک خاتون) اُمُّ المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برّة تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جويرية رکھ دیا۔ یہ جارية کی تصغیر ہے۔ جارية لڑکی کے معنی میں آتا ہے۔ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی برّة ہی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زينب (خوشبودار پھول) رکھ دیا۔ (۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبدیل کردہ ناموں کی فہرست کافی طویل ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم نے چند مشہور ناموں کی تفصیل ذکر کردی ہے۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لیے حافظ علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’الإصابة في تمييز الصحابةؓ‘‘ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حوالہ جات

١- الإصابة في تمييز الصحابةؓ: ١/ ١٧٨، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى ١٤١٥هـ

٢-أيضًا: ١/ ٢٥٧

٣-أيضًا: ١/ ٢٠٢

٤- أيضًا: ٢/ ٦٩، و ١/ ٤٣٥

٥- أيضًا: ٤/ ٢٣٥

٦- أيضًا: ٤/ ١٣٣

٧- أيضًا: ٢/ ٥٥ و صحيح البخاري: ٨/ ٤٣، كتاب الأدب، باب اسم الحزن، ط: دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى ١٤٢٢ هـ

٨- الإصابة في تمييز الصحابةؓ: ٤/ ١٠٢، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى ١٤١٥هـ

٩-أيضًا: ٢/ ٨٩

١٠- أيضًا: ٢/ ٥١٤

١١-أيضًا: ٢/ ٣٥٧

١٢-أيضًا: ٤/ ٢٣١

١٣- أيضًا: ٣/ ٢٩٣ و ٢/ ٤٢٧

١٤- أيضًا: ٥/ ١٥٨

١٥- أيضًا: ٦/ ١٠٥

١٦- أيضًا: ٢/ ١٦٣ و ٤/ ٢٣٧

١٧- أيضًا: ٤/ ١٣٧

١٨- أيضًا: ٥/ ١٩٩و ٤/ ٢٧٧ و ٤/ ١٧

١٩- أيضًا: ٤/ ١٧٤

٢٠- أيضًا: ٤/ ٢٧٤

٢١- أيضًا: ٤/ ٢٨٩

٢٢- أيضًا: ٤/ ٢٦٠ و ٤/ ٤١٣

٢٣- أيضًا: ٤/ ٤١٦

٢٤- أيضًا: ٣/ ٤٦٦

٢٥- أيضًا: ٦/ ٨٩

٢٦- أيضًا: ٦/ ٢٠٨

٢٧- أيضًا: ٥/ ٤٧٢

٢٨- أيضًا: ٥/ ٤٦١

٢٩- أيضًا: ٣/ ٢٧٥

٣٠- أيضًا: ٦/ ٨٥

٣١- أيضًا: ٤/ ٣٦٢

٣٢- شرح النووي على صحيح مسلم: ٩/ ١٤٩/ باب فضل المدينة، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة: الثانية ١٣٩٢ هـ

٣٣- سنن أبي داود: ٧/ ٣١١/ باب في تغير الاسم، ط: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، ١٤٣٠هـ/ ٢٠٠٩ء

٣٤- سنن أبي داود: ٧/ ٣١١/ باب في تغير الاسم، ط: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، ١٤٣٠هـ/ ٢٠٠٩ء

٣٥- تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ١٧/ ١٦٤، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى ١٤٠٠هـ/ ١٩٨٠ء

٣٦- الإصابة في تمييز الصحابة: ٨/ ٣١٦، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى ١٤١٥هـ

٣٧- أيضًا: ٨/ ٧٣

اُمت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندیشے

مولانا احمد سعید
فاضل جامعہ رحیمیہ، ملتان

بربادی اور ہلاکت کے اہم اسباب

کوئی شخص کسی کے ساتھ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو، مگر جب تک دوسرا شخص بھی اپنی زندگی کو سنجیدگی سے نہ لے تب تک تنہا پہلے کا احساس وفکر پوری طرح فائدہ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے لیے بے شمار آنسو بہانے اور سفارش کرنے کے باوجود پھر بھی ہمیں اس سہارے زندگی گزارنا کہ بس ہم جو مرضی کرلیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بچالیں گے بالکل درست نہیں، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کو عمل میں لایا جائے، بالخصوص جن چیزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کی بربادی کا خوف واندیشہ تھا، اُن سے بچا جائے، تاکہ امتی کی جانب سے عشقِ حقیقی کا حق ادا ہو، جن میں سے چند یہ ہیں:

دنیا کی محبت ورغبت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارے (تھوڑے سے نہ کہ حد سے زیادہ) فقرو افلاس سے نہیں ڈرتا، بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر تم سے پہلے لوگوں کی طرح دنیا کشادہ کردی جائے، پھر تم پہلے لوگوں کی طرح دنیا کی محبت ورغبت میں گرفتار ہوجاؤ گے اور یہ دنیا پھر تم کو پہلے لوگوں کی طرح ہلاک کردے گی۔'' (بخاری، مسلم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنے دنیا سے جانے کے بعد تمہارے بارے میں جن چیزوں سے ڈرتا ہوں، ان میں دنیا کی تروتازگی اور زینت بھی ہے (جو فتوحات حاصل ہونے کے بعد) تمہارے سامنے آئے گی۔'' (بخاری، مسلم)

مخفی شرک: ریاکاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں اپنی اُمت پر مخفی (چھپے ہوئے) شرک اور مخفی خواہشات سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں، خبردار! میری اُمت سورج، چاند اور پتھر کی عبادت تو نہ کرے گی اور نہ بتوں کے آگے سجدہ کرے گی، البتہ اپنے اچھے کام لوگوں کو دکھائے گی۔ اور مخفی خواہشات یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص صبح روزہ دار اُٹھے گا، پھر نفسانی خواہشات میں سے کوئی خواہش (کھانا پینا یا صحبت) پیش آجائے گی تو وہ روزہ توڑ دے گا۔'' (مسند احمد)

قرآن سے دوری اور دوسروں پر شرک کا الزام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا ڈر ہے وہ ایک ایسے آدمی کا ہے جس نے قرآن پڑھا، یہاں تک کہ اس پر قرآن کا جمال بھی دکھائی دیا اور جب تک اللہ نے چاہا، وہ غیروں کے مقابلے میں اسلام کا پشت پناہ بھی رہا (مگر) پھر وہ قرآن سے دور ہوگیا اور اسے اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا اور اس پر شرک کا الزام لگادیا۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں سے شرک کے زیادہ قریب کون ہوگا؟ الزام لگانے والا یا جس پر الزام لگایا گیا؟ فرمایا: الزام لگانے والا۔''
(ابن حبان)

نااہل حکمران، قتل، فیصلہ میں ناانصافی، قطع رحمی، گانے کے طرز پر قرآن کی تلاوت، وزیر ومشیر

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم سے متعلق چھ چیزوں کے بارے میں ڈرتا ہوں: ۱- نااہلوں کے حکمران بننے سے، ۲- (ناحق) خون بہانے سے، ۳- (قاضیوں کے) فیصلے بیچنے سے، ۴- رشتہ داریوں کے توڑنے سے، ۵- نوجوانوں کے گانے کے انداز پر قرآن پڑھنے سے، ۶- مشیروں وزیروں کے بڑھ جانے سے (جس سے ظلم بڑھ جائے گا)۔'' (الجامع الصغیر)

گمراہ کرنے والے حکمران

شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی امت پر گمراہ کرنے والے اماموں (حکمرانوں) سے ڈرتا ہوں۔'' (ترمذی) یعنی جب ایسا ہوگا تو امت میں بہت فساد پھیلے گا۔

خواہش نفس اور لمبی آرزو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے متعلق سب سے زیادہ ڈر خواہشِ نفس اور لمبی آرزو کا ہے۔ خواہشِ نفس حق سے روک لیتی ہے، جبکہ لمبی آرزو آخرت بھلا دیتی ہے۔'' (بیہقی)

قومِ لوط کا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی اُمت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر ہے وہ قومِ لوط کے عمل (ہم جنس پرستی) کا ہے۔'' (ترمذی، ابنِ ماجہ)

زبان کی تیز طراری

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اس امت کے حوالے سے سب سے زیادہ مجھے جس چیز کا ڈر ہے، وہ ہر اس منافق کا ہے جو زبان کی تیز طراری کا ماہر ہو۔'' (مسند احمد)

عالم کا پھسلنا، قرآن میں جھگڑنا، تقدیر کا انکار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر ۳ چیزوں کا ڈر ہے: ۱- عالم کے پھسلنے کا (دین کے معاملے میں)، ۲- منافق کے قرآن کے بارے میں جھگڑا کرنے کا، ۳- تقدیر کے جھٹلانے کا۔'' (طبرانی کبیر)

بخل، اتباعِ نفس، حکمران کی گمراہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں کا ڈر ہے: ۱- انتہائی کنجوسی کا، ۲- خواہشِ نفس کا جس کی پیروی کی جائے، ۳- گمراہ حکمران کا۔'' (مسند بزار)

پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا ڈر ہے وہ تمہارے پیٹوں اور تمہاری شرمگاہوں کی گمراہ کرنے والی خواہشات ہیں۔'' (مسند احمد)

زنا اور چھپی ہوئی شہوت

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''بے شک مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے، وہ زنا اور چھپی ہوئی شہوت (دل میں برے خیالات پالنا) ہے۔'' (صحیح الترغیب، طبرانی)

تقدیر کو جھٹلانا اور ستاروں کی تصدیق

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''مجھے اپنے بعد اُمت کے بارے میں تقدیر کو جھٹلانے اور ستاروں کی تصدیق (ان کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے) کا ڈر ہے۔'' (مسند احمد)

فتنے، آپس کی لڑائیاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تم پر دجال کے سوا اور باتوں (فتنوں، آپس کی لڑائیوں) کا ڈر زیادہ ہے۔'' (مسلم، ترمذی)

سود میں ابتلاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہارے سود میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے۔'' (مسند احمد)

زبان کی بے احتیاطی

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! میرے بارے میں آپ کو کس چیز کا زیادہ ڈر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: ''اسی کا خوف زیادہ ہے۔'' (ترمذی)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اُمت کے اتفاقی موقف سے انحراف گمراہی ہے

مولانا محمد نعمان خالد
استاذ جامعۃ الرشید، کراچی

قرآن وسنت کی صحیح تشریح کا معیار (پہلی قسط)

آج کل ہر شخص اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق قرآن وسنت کی تشریح کر کے اپنے مقصد کا مفہوم اور مطلب مراد لیتا ہے اور پھر اسی کو حق اور صحیح سمجھتا ہے، اس کے خلاف چاہے قرآن کریم کی کوئی آیت ہو یا کوئی حدیث صحیح ہو یا اُمت کا اتفاقی عقیدہ اور نظریہ ہو، سب چیزوں کو پس پشت ڈال کر وہ اپنی دلیل کو مضبوط سمجھ کر اپنے عقیدے اور نظریے کو حق سمجھتا ہے اور پھر اسی پر عمل اور اسی کے پرچار کی کوشش کرتا ہے۔ سوشل میڈیا اور کالجز و یونیورسٹیز میں اس طرزِ عمل کا بازار گرم ہے، عام طور پر اس طرح کا نظریہ اور موقف اختیار کرنے میں آدمی قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی حدیث صحیح کا سہارا لیتا ہے، کیونکہ جب اس کے سامنے قرآن کی آیت یا کوئی حدیثِ صحیح آتی ہے تو وہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو واجب العمل سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ جب بھی کوئی قرآن کی آیت یا حدیث اگر اُمت کے اتفاقی موقف کے خلاف ہو تو اس وقت آدمی کو عقل اور فہم سے سوچنا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آخر اُمت نے اس آیتِ مبارکہ پر عمل کیوں نہیں کیا؟ یا اُمت نے اس حدیث کو قابلِ عمل کیوں نہیں سمجھا؟ جب ہم قرآن کریم کی کسی آیت کو دیکھتے ہیں یا کسی حدیث صحیح کو دیکھتے ہیں کہ اُمت اس پر عمل نہیں کر رہی تو محدثین اور فقہاء اور اصولیین رحمہم اللہ علیہم اس آیت اور حدیث کی تشریح اور تاویل کرتے نظر آتے ہیں اور یقیناً اس تشریح اور تاویل کے پیچھے محدثین اور فقہاء کرام کے پاس مضبوط دلائل ہوتے ہیں، عام طور پر جن آیات کو اور احادیثِ صحیحہ کو اُمت نے چھوڑا اور اُن پر عمل نہیں کیا، اس کی درج ذیل وجوہ ہوسکتی ہیں:

①- آیت یا حدیث کا منسوخ ہونا

ان میں سے سب سے پہلی چیز نسخ ہے، نسخ کا معنی یہ ہے کہ شریعت کے سابقہ حکم کو اُٹھا دینا اور ختم

کردینا، پھر کبھی اس کے بدلے میں دوسرا حکم اُترآتا ہے اور کبھی نہیں اُترتا۔ نسخ قرآن اور حدیث دونوں میں ثابت ہے اور اس پر اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے، پھر نسخ کبھی قرآن کی آیت کا حدیث کے ذریعے ہوتا ہے، کبھی حدیث کا حدیث کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی آیت کا آیت کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی حدیث کا آیت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الإتقان في علوم القرآن'' اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''الفوز الکبیر'' میں نسخ کی یہ چاروں صورتیں بیان فرمائی ہیں، البتہ یہ یاد رہے کہ جب آیت کا نسخ کسی حدیث کے ذریعہ ہو تو اس صورت میں حدیث کا متواتر ہونا ضروری ہے، خواہ متواترِ لفظی ہو یا معنوی یا حکمی! لہٰذا جس آیت کے بارے میں پوری اُمت کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہوچکی، اس کی وجہ امت کے پاس اس کے خلاف دوسری دلیلِ قطعی کا موجود ہونا ہے، مثلاً قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ'' (البقرۃ:۲۴۰)

شروع اسلام میں یہ حکم نازل ہوا کہ جب کوئی شخص فوت ہوا اور اس کی بیوی حیات ہو تو وہ فوت ہونے سے پہلے اپنی بیوی کے لیے ایک سال کی وصیت کر کے جائے۔ اب یہ آیتِ مبارکہ دوسری آیت کی وجہ سے منسوخ ہوچکی ہے اور وہ آیتِ وصیت اور آیتِ میراث ہے، جس میں واضح طور پر حکم بیان فرمادیا گیا کہ بیویوں کا وراثت میں کتنا حصہ مقرر ہے، چنانچہ امام فخر الدین رازی، علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ سمیت سب مفسرین نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۵-''آية المتاع إلى الحول: وقوله - تعالى -: "وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ" - إلى قوله - "إِلَى الْحَوْلِ" منسوخة بالميراث، والسكنى باقية عند قوم، منسوخة عند آخرين بحديث: "لا سكنى إلخ''.

لہٰذا اب اگر کوئی شخص اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور آیت پر عمل کرنا واجب ہے، لہٰذا ہر شخص فوت ہونے سے پہلے ایک سال کی اپنی بیوی کے لیے وصیت کر کے جائے تو استدلال درست نہیں، جیسا کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنی کتاب میں اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شوہروں کے لیے اللہ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی بیواؤں کے لیے ایک سال کے نان نفقہ اور اپنے گھر میں سکونت کی وصیت کر جائیں۔''

اسی طرح دوسری آیتِ مبارکہ ہے:

''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ‘‘ (البقرۃ:۱۸۰)

اس آیتِ مبارکہ میں پہلے یہ حکم اُتارا گیا کہ اگر کوئی شخص وفات کے وقت مال چھوڑے اور اس کے والدین اور رشتہ دار حیات ہوں تو وہ اپنے والدین کے لیے وصیت کر کے جائے۔ یہ آیتِ مبارکہ بھی منسوخ ہوچکی ہے اور اس کے نسخ کی دلیل درج ذیل حدیث پاک ہے:

’’إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث .‘‘

اس حدیث پاک کو اگرچہ بعض حضرات نے ضعیف کہا ہے، لیکن امت کی جانب سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوئی، یعنی اُمت نے اس حدیث کو اپنے عقیدے اور عمل سے قبول کیا، اس لیے یہ حدیثِ مبارکہ تواتر کے درجہ میں پہنچ گئی، چنانچہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’فتح المغيث‘‘ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جس حدیث کو اُمت کی طرف سے قبولیت حاصل ہوجاتی ہے تو وہ متواتر کے مرتبہ میں ہوتی ہے اور اس کے ذریعے سے قرآن کریم کی آیت کا نسخ جائز ہوتا ہے اور پھر مثال کے طور پر یہی آیتِ مبارکہ اور یہی حدیث ذکر کی، چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

’’إذا تلقت الأمة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح، حتى إنهٗ ينزل منزلةَ المتواتر في أنه ينسخ المقطوع به ; ولهٰذا قال الشافعي - رحمه الله - في حديث: ”لا وصية لوارث“ : إنه لا يثبته أهل الحديث، ولكن العامة تلقته بالقبول، وعملوا به حتى جعلوه ناسخا لآية الوصية له.‘‘

نیز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو آیتِ وصیت کی وجہ سے منسوخ قرار دیا ہے، چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

’’آية الوصية للوارث: فمن البقرة قوله - تعالى -: ”كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ“ الآية، منسوخة قبل بآية المواريث، وقيل: بحديث لا وصة لوارث، وقيل بالإجماع، حكاه ابن العربي. قلت: بل هي منسوخة بآية ”يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ“ إلخ وحديث ”لا وصية لوارث“ مبين للنسخ.‘‘

اسی طرح جوتوں پر مسح کرنے اور آگ پر پکی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو کے واجب ہونے سے متعلق درج ذیل احادیث کو بھی شراحِ حدیث رحمہم اللہ نے منسوخ قرار دیا، اگرچہ یہ روایات صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہیں:

’’عبد خير، قال: رأيت عليًا توضأ ومسح على النعلين فوسع، ثم قال: ”لولا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت،

لرأيت أن باطن القدمين أحق بالمسح من ظاهرهما" قال أبو محمد: "هٰذا الحديث منسوخ بقولہٖ تعالى "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ" عن عائشة، قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -:" توضؤوا مما مست النار."

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا وجوب منسوخ ہونے کی صراحت علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''كشف المشكل من حديث الصحيحين'' میں کی ہے۔

۲- آیت یا حدیث کا مؤول ہونا

دوسری چیز آیت یا حدیث کا مؤوّل ہونا ہے، یعنی اس آیت یا حدیث میں دیگر نصوص کے مطابق تاویل کی جائے گی، تاویل کا مطلب یہ ہے کہ جس آیت یا حدیث سے اُمت کے اتفاقی موقف کے خلاف استدلال کیا جا رہا ہے، وہ اپنے لغوی اور حقیقی معنی سے پھری ہوئی ہے، یعنی اُمت کے ہاں اس کا ظاہری اور حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا، بلکہ دیگر دلائل کی روشنی میں دوسرا معنی اور مفہوم مراد ہوتا ہے، جیسے متشابہات سے متعلق قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ مبارکہ میں اشاعرہ تاویل کرتے ہیں، مثلاً: قرآن کریم کی آیت ''وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ'' (الذاریات: ۴۷) میں ہاتھ اور دوسری آیت '' يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ'' (القلم: ۴۲) میں پنڈلی کا ذکر ہے، اسی طرح حدیث پاک میں ''يد الله على الجماعة'' میں بھی ہاتھ اور بعض احادیث میں چہرے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کا بھی ایسا ہی وجود ہے، جیسا کہ انسانوں کا وجود ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اُمت کا موقف اس کے خلاف ہے، امت کے تمام علمائے کرام کے نزدیک اللہ کا وجود انسانوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، اسی لیے فرقہ مجسمہ کو گمراہ قرار دیا گیا، باقی یہاں آیتِ مبارکہ میں ہاتھ سے مراد بعض حضرات کے نزدیک اللہ کی قدرت مراد ہے اور حدیث میں ہاتھ سے مراد اللہ کی نصرت ہے۔ اسی کو تاویل کہتے ہیں۔

باقی اللہ تعالیٰ کا وجود انسانوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ ذات جسم سے پاک وجود رکھتی ہے، اس پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں، جیسے: ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ: ۱۱)، ''لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ'' (الانعام: ۱۰۳)، ''قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (الاعراف: ۱۴۳) ''لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ'' (الاخلاص: ۳) وغیرہ اور ان کے علاوہ

بہت سی احادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ ’’وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ‘‘ (المائدۃ:۶) میں ’’اَرْجُلِكُمْ‘‘ کی قراءت لام کے کسرہ کے ساتھ بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جیسا کہ قراءت کے مشہور ائمہ علامہ شاطبی اور علامہ جزری رحمہما اللہ نے تصریح کی ہے اور ایسی صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی مسح کیا جائے گا، جبکہ اُمت کے نزدیک دوسری قراءت راجح ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے پاؤں دھونے کی بجائے مسح کر کے نماز پڑھ لی تو بالاتفاق اس کی نماز نہیں ہوگی، جیسا کہ شیعہ حضرات کا مذہب ہے، اسی لیے علمائے کرام نے لام کے کسرہ والی قراءت کی تاویل کی ہے اور وہ یہ کہ ’’اَرْجُلِكُمْ‘‘ کی لام کے نیچے زیر ’’رُءُوْسِكُمْ‘‘ کے ساتھ متصل ہونے اور جوار یعنی پڑوسی ہونے کی بنا پر دی گئی ہے، ’’يقال له بجرّ جوار في اصطلاح النحويين‘‘ جس کو علم نحو کے ماہرین کی اصطلاح میں جرِ جوار سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ ’’امْسَحُوْا‘‘ فعل کا مفعول بہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے پاؤں پر مسح کی گنجائش نکلتی ہو۔

اسی طرح تین طلاق سے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول درج ذیل حدیث بھی مؤوّل قرار دی گئی ہے:

’’عن ابن عباسؓ، قال: " كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وسنتين من خلافة عمرؓ، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم .‘‘

اس حدیث کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں، لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سب سے صحیح تاویل یہ ہے کہ شروع زمانہ میں لوگ ’’أنت طالق أنت طالق أنت طالق‘‘ کہہ کر تاکید اور استیناف یعنی نئی طلاق دینے وغیرہ کی کوئی نیت نہیں کرتے تھے یا دوسرے اور تیسرے جملے سے تاکید کی نیت کرتے تھے تو اس وقت چونکہ خیر غالب تھی، اس لیے ان کی بات پر اعتماد کر لیا جاتا تھا، جب بکثرت ایسا ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آئندہ اگر کسی نے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ بیوی کو خطاب کرتے ہوئے بولے تو اس سے تین طلاقیں ہی مراد لی جائیں گی، البتہ اگر دوسری اور تیسری طلاق میں تاکید کا کوئی قرینہ موجود ہو تو اب بھی ان کو تاکید پر محمول کیا جا سکتا ہے، لیکن بغیر قرینہ کے شوہر کی بات خلافِ ظاہر ہونے کی وجہ سے عورت کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی، یہ حکم اس لیے جاری کیا گیا تھا، تاکہ آئندہ لوگ طلاق کے اہم مسئلہ میں بہانے بازی نہ شروع کر دیں، یعنی

ایک شخص تین طلاقیں دینے کے بعد یوں نہ کہے میں نے دوسری اور تیسری سے تاکید کی نیت کی تھی۔ عورتوں کی حلت وحرمت کا معاملہ بہت نازک اور احتیاط پر مبنی ہے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دروازے کو بند کیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے اس فیصلے کو قبول کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاق کو بھی تین قرار دیا اور کسی ایک صحابیؓ کا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے انکار منقول نہیں، اسی لیے مذاہبِ اربعہ یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے سب فقہائے کرام رحمہم اللہ نے بھی اسی موقف کو اپنایا۔

اس میں تاویل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ دیگر بہت سی نصوص میں بغیر کسی تفصیل کے تین طلاقوں کے تین ہونے کا ذکر موجود ہے، جن میں سے بعض احادیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں بھی نقل کیا ہے۔

نوٹ: اُمت کے اتفاقی موقف کے خلاف قرآن کریم کی آیت ہو تو اس میں صرف نسخ یا تاویل چلتی ہے، بقیہ پانچ چیزیں جو آگے آرہی ہیں وہ صرف حدیث میں جاری ہوتی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۳- روایت میں علتِ قادحہ کا پایا جانا

تیسری چیز حدیث کا معلل ہونا ہے، معلل حدیث کی ایک اصطلاح ہے، محدثین کے ہاں علت ہر ایسی وجہ کو کہتے ہیں کہ جو مخفی ہو اور اس حدیث کا ظاہر سلامتی پر مبنی ہو، یعنی ظاہری طور پر اس کی سند اور متن میں کسی قسم کا عیب اور سقم ظاہر نہ ہو۔ البتہ اس میں کوئی ایسی مخفی وجہ موجود ہو جو صحتِ حدیث سے مانع ہو، اس کو محدثین علتِ قادحہ کہتے ہیں۔

علت چونکہ مخفی ہوتی ہے تو جب کوئی حدیث قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ یا امت کے اتفاقی موقف یا اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہو تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی مسئلہ اور خرابی ہوتی ہے، اسی مسئلے اور خرابی کا نام علت ہے، چنانچہ سند کا منقطع ہونا، راوی کے حافظہ کا کمزور ہونا، راوی کو بھول چوک ہو جانا، نسیان طاری ہو جانا، لکھی ہوئی حدیث کے کچھ حصے کا کسی وجہ مثلاً پانی یا دیمک کے کھا جانے کی وجہ سے مٹ جانا وغیرہ سب علت کی صورتیں ہیں، بشرطیکہ یہ اُمور مخفی ہوں، یعنی محدث اور فقیہ کو ان کے وجود کا علم نہ ہو، اسی لیے امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''کتاب العلل''میں عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابن نمیر رحمہما اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر علت بیان والے شیخ سے سوال کیا جائے کہ آپ نے یہ علت کہاں سے بیان کی تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔

اسی لیے اگر علت کا سبب ظاہر ہو جائے تو وہ حدیث معلل نہیں رہتی، بلکہ ضعیف کی قسم میں شمار ہوتی

ہے، جیسے سند کے انقطاع کا اگر محدث کو محض گمان ہو تو یہ علت ہے اور اگر اس کا علم ہو جائے تو یہ روایت منقطع اور ضعیف کہلائے گی، مثلاً امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے اور چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کی سزا دینے سے متعلق دو حدیثیں نقل کی ہیں، جبکہ ان دونوں پر اہلِ علم کا عمل نہیں ہے، اسی لیے ان دونوں حدیثوں کو معلل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جميع ما في هٰذا الكتاب من الحديث هو معمول به، وبه أخذ بعض أهل العلم ماخلا حديثين: حديث ابن عباسؓ: ”أن النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة، والمغرب والعشاء من غير خوف ولاسفر، ولا مطر.“

وحديث النبي صلى الله عليه وسلم أنهٗ قال: ”إذا شرب الخمر فاجلدوه، فإن عاد في الرابعة فاقتلوه.“ وقد بينا علة الحديثين جميعا في الكتاب.“

واضح رہے کہ ان میں سے دوسری حدیث شربِ خمر پر قتل کی سزا سے متعلق کو بعض حضرات نے منسوخ بھی قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ امام ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں اس کے منسوخ ہونے کی صراحت کی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان حدیثوں کو صحیح سمجھ کر اُن پر عمل کرے تو یہ اس کا استدلال اور عمل درست نہ ہوگا، چنانچہ جو لوگ ان احادیث کی بنا پر بغیر کسی عذر کے جمع بین الصلاتین کے قائل ہیں، ان کا یہ طرزِ عمل خلافِ شریعت ہے۔

۴- روایت میں شذوذ کا پایا جانا

شاذ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا راوی تو ثقہ اور عادل ہے، مگر وہ اپنی حدیث میں بہت سے ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہے یا وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہے، اگرچہ وہ راوی ایک ہی ہو تو ایسے راوی کی روایت شاذ کہلاتی ہے اور دوسری روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں شاذ روایت بھی ضعیف کہلاتی ہے یعنی ناقابلِ عمل کہلائے گی، اسی لیے محدثین کے ہاں طبقات کی بحث بہت اہمیت کی حامل ہے، چنانچہ محدثین کرام نے کبار محدثین کے شاگردوں کے طبقات بنائے ہیں، جیسے سلیمان بن مہران الاعمش، یحییٰ بن ابی کثیر، امام مسلم بن شہاب زہری، امام عمرو بن دینار، ابواسحاق سبیعی اور قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہم اللہ وغیرہ۔ یہ لوگ مدارِ اسانید کہلاتے ہیں، جیسا کہ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”كتاب العلل“ میں ذکر فرمایا ہے، ان کے آگے پھر طبقات ہیں، بعض تلامذہ پہلے طبقے میں، بعض دوسرے طبقے میں اور بعض تیسرے طبقہ میں شامل ہوتے ہیں۔ پہلے طبقے سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے شیخ کی صحبت کا ایک لمبا عرصہ انہوں نے اہتمام کیا

ہو، سفر حضر میں شیخ کے ساتھی ہوں، شیخ کی طبیعت اور مزاج سے واقف ہوں۔ دوسرے طبقہ میں وہ ہوتے ہیں جو شیخ کی صحبت اختیار کرنے میں پہلے طبقے سے کم درجہ رکھتے ہوں، ان کو کم صحبت ملنے کی وجہ سے انہوں نے شیخ سے کم روایات لیں، مزاج شناس تو یہ بھی تھے، لیکن پہلے کی بنسبت کم تھے۔ پھر تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو صحبت کے اہتمام میں، روایات لینے میں اور مزاج شناس ہونے میں دوسرے طبقہ سے بھی کم درجہ رکھتا ہو۔ اب جب کوئی روایت اس شیخ سے منقول ہوگی تو پہلے طبقہ کی روایت دوسرے طبقہ کے مقابلے میں اعلیٰ ہوگی، دوسرے طبقہ کی روایت تیسرے کے مقابلے میں ارجح اور اعلیٰ کہلائے گی، اگرچہ سند کے اعتبار سے دونوں صحیح ہوں گی اور دونوں کے راوی ثقہ ہوں گے، کسی پر ضعف کا حکم نہیں لگا ہوگا، لیکن جب تعارض ہوگا تو اول طبقہ کی روایت کو ثانیہ پر ترجیح دیں گے اور ثانیہ کی روایت کو ثالثہ کی روایت پر ترجیح دی جائے گی، اسی طرح ہر پہلے والے طبقہ کی روایت بعد والے طبقہ کی روایت پر راجح ہوگی اور ایسی صورت میں راجح روایت مقبول اور مرجوح روایت شاذ اور غیر مقبول ہوگی اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، مثلاً امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

’’عن عائشة، أن سالما، مولى أبي حذيفة كان مع أبي حذيفة وأهله في بيتهم، فأتت – تعني ابنة سهيل – النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: إن سالما قد بلغ ما يبلغ الرجال. وعقل ما عقلوا وإنهٗ يدخل علينا وإني أظن أن في نفس أبي حذيفة من ذٰلك شيئا. فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم ”أرضعيه تحرمي عليه، ويذهب الذي في نفس أبي حذيفة“ فرجعت، فقالت: إني قد أرضعتهٗ، فذهب الذي في نفس أبي حذيفة.‘‘

اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سالمؓ میرے پاس آتے ہیں اور سالمؓ کا میرے پاس آنا میرے شوہر ابو حذیفہؓ کو ناگوار گزرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم ان کو اپنا دودھ پلا دو! انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تو بڑے ہیں، یعنی بالغ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ بالغ ہیں، آپ ان کو دودھ پلا دو، اس کے بعد حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دودھ پلا دیا تو ان کے شوہر ابو حذیفہؓ کے دل میں جو بات تھی وہ نکل گئی، کیونکہ سالمؓ سہلہؓ کے محرم بن گئے تھے۔

اس حدیثِ مبارک کو اُمت نے قبول نہیں کیا، بلکہ اس میں تاویل کی اور کہا کہ یہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی، چنانچہ دیگر ازواجِ مطہراتؓ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کرتی تھیں اور ان کا موقف یہی تھا کہ یہ حضرت سالمؓ کی خصوصیت تھی، باقی امت کے لیے یہ حکم نہیں ہے، اسی لیے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد دیگر ازواج مطہراتؓ سے بالغ آدمی کو دودھ پلانے کی صورت میں محرمیت

کے عدمِ ثبوت والی روایت نقل کی ہے، اسی لیے شیخ فؤاد عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں شذوذ ہے، گویا کہ اس حدیث میں تاویل کی وجہ شذوذ ہے، یعنی اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواجِ مطہرات رض سے تفرُّد اور انفرادیت اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اُن کے بعد سند میں موجود کسی راوی کو اس میں وہم ہوا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح مسلم میں اس تاویل اور دیگر ازواجِ مطہرات رض کی مخالفت کا ذکر درج ذیل عبارت میں کیا ہے:

''وحملوا حديث سهلة على أنهٗ مختص بها و بسالم وقد روى مسلم عن أم سلمة وسائر أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم أنهن خالفن عائشة في هٰذا، والله أعلم.''

اسی حدیث کی بنا پر امام داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بڑے آدمی کو دودھ پلانا جائز ہے، لیکن امام ابوعبداللہ محمد بن علی تمیمی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المعلَم بفوائد مسلم'' میں ان پر رد کیا ہے، اور علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت تصریح کی ہے کہ یہ روایت چھوڑ دی گئی ہے اور جمہور علمائے کرام نے اس کو قبول نہیں کیا، اس کے بعد انہوں نے اس روایت کے خلاف بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رح سے بالغ آدمی کو دودھ پلانے کی ممانعت نقل کی اور اصل دلیل قرآن کریم کی سورۂ بقرہ اور سورۂ احقاف کی آیاتِ مبارکہ ہیں، جس میں دو سال یا دوسری آیت سے اڑھائی سال تک دودھ پلانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اس لیے قرآن کریم کی ان نصوص کے خلاف خبرِ واحد درجے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

⑤- روایت کی مختلف اسانید میں اضطراب کا پایا جانا

پانچویں وجہ روایت میں اضطراب ہونا ہے، چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روایت کی سند صحیح ہوتی ہے، تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں، سند متصل بھی ہوتی ہے، البتہ مختلف اسانید سے مروی ہونے کی وجہ سے سند یا متن یا دونوں میں اضطراب ہوتا ہے۔ اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ ہر راوی نے اپنے شیخ سے سن کر روایت بالمعنی کرتے ہوئے مختلف الفاظ استعمال کیے، جس کی وجہ سے ہر ایک راوی کے بیان کردہ الفاظ دوسرے راوی کے بیان کردہ الفاظ سے مختلف تھے، الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے معنی میں بھی اختلاف ہو گیا، جب معنی میں اختلاف ہوا تو مفہوم میں بھی اختلاف ہو گیا اور جب طرق کی سند بالکل صحیح ہوتی ہے تو ہم کسی ایک طریق کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے پاتے، جب ترجیح نہیں دے پاتے تو ایسی روایت کو کبھی تو چھوڑ دیا جاتا ہے اور کبھی کوشش کی جاتی ہے کہ دونوں قسم کی روایات پر عمل کیا جائے، لہٰذا اگر پوری امت کسی روایت کو چھوڑ رہی ہے تو اگر اس میں ایسا اضطراب ہے کہ ان طرق کو جمع کر کے ان سب پر عمل کرنا یا تطبیق دینا ممکن نہ ہو تو اس حدیث کو

سندِ صحیح ہونے کے باوجود چھوڑ دیا جائے گا، جیسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں کوئی چیز واجب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق واجب ہے، حدیث مبارکہ ہے:

''حدثنا محمد بن أحمد بن مدو يه، قال: حدثنا الأسود بن عامر، عن شريك، عن أبي حمزة، عن الشعبي، عن فاطمة بنت قيس، قالت: سألت، أو سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الزكاة؟ فقال: إن في المال لَـحَقًّا سوى الزكاة.''

جبکہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے ہی مروی دوسری روایت نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ زکوٰۃ کے علاوہ مال میں کوئی حق واجب نہیں ہے:

''حدثنا علي بن محمد قال: حدثنا يحيى بن آدم، عن شريك، عن أبي حمزة، عن الشعبي، عن فاطمة بنت قيس، أنها سمعته تعني النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "ليس في المال حق سوى الزكاة.''

ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ایسا اضطراب ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاسکتی، اس لیے ان دونوں روایتوں کو چھوڑ کر وجوبِ زکوٰۃ سے متعلق دیگر نصوص پر عمل کیا گیا اور دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مال میں فرض درجہ کا حکم زکوٰۃ کی ادائیگی کا ہی ہے، البتہ واجب درجے کے بعض دیگر احکام بھی انسان کے مال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جیسے عشر، صدقۂ فطر اور قربانی۔

البتہ یہ بات یاد رکھیں کہ اگر مختلف طرق سے مروی ہو، روایت کے الفاظ مختلف ہونے کے باوجود اس کا معنی تبدیل نہ ہو، بلکہ سب طرق سے ایک ہی معنی اور مفہوم نکلتا ہو تو اس کو محدثین کے ہاں مضطرب نہیں کہیں گے، بلکہ وہ روایت صحیح شمار ہوگی اور ایسی روایت اُمت کے ہاں قبول ہوگی، بلکہ کثرتِ طرق کی وجہ سے اس روایت کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

⑥- روایت کا کسی شخص کے ساتھ خاص ہونا

چھٹی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ روایت کی سند صحیح ہوتی ہے، مگر دیگر قطعی دلائل کی بنیاد پر ائمہ کرام اس میں عموم کی بجائے تخصیص کا قول اختیار کرتے ہیں، جیسے ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں ہلاک ہوگیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا: کس چیز نے تجھے ہلاک کیا، اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رمضان میں روزے کی حالت میں جماع کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا آپ ایک

غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ دو ماہ لگاتار روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بیٹھ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ مدینہ کے فقراء میں تقسیم کردو، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے اور فرمایا کہ: یہ لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو، چنانچہ حدیثِ پاک ملاحظہ فرمائیں:

”عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: هلكت، يا رسول الله! قال: “وما أهلكك؟” قال: وقعت على امرأتي في رمضان، قال: “هل تجد ما تعتق رقبة؟” قال: لا، قال: “فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟” قال: لا، قال: “فهل تجد ما تطعم ستين مسكينا؟” قال: لا، قال: ثم جلس، فأتي النبي صلى الله عليه وسلم بعرق فيه تمر، فقال: “تصدق بهذا” قال: أفقر منا؟ فما بين لابتيها أهل بيت أحوج إليه منا، فضحك النبي صلى الله عليه وسلم حتى بدت أنيابه، ثم قال: “اذهب فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.“

مذکورہ بالا حدیث میں رمضان کا روزہ توڑنے کی صورت میں اپنے گھر والوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا، جبکہ اس پر کسی کا عمل نہیں ہے، اس لیے فقہائے کرام اور محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس کے معنی میں تخصیص کی اور فرمایا کہ: یہ درحقیقت اس صحابیؓ کی خصوصیت تھی، لہٰذا اُمت کے لیے عام حکم نہیں ہے۔

۷- راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہونا

کبھی ایسے ہوتا ہے کہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے، مگر اس کے راوی کا عمل اس کی طرف سے روایت کی گئی حدیث کے خلاف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس میں کسی حد تک تہمت پیدا ہوجاتی ہے کہ شاید اس روایت کے بیان کرنے میں راوی سے خطا واقع ہوئی ہو، اس لیے فقہاء کرام اور محدثین کے ہاں یہ اصول ہے کہ اگر راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ قبول نہیں، کیونکہ اگر اس راوی کے نزدیک وہ روایت صحیح ہوتی اور اس کی نظر میں وہ منسوخ اور معلل وغیرہ بھی نہ ہوتی تو اس کا عمل اس روایت کے خلاف نہ ہوتا، جیسے تین طلاق کے ایک ہونے کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو پیچھے گزر چکی ہے، جبکہ سنن ابی داود میں ان کا فتویٰ اس روایت کے خلاف منقول ہے، اور وہ روایت درج ذیل ہے:

”عن مجاهد، قال: كنت عند ابن عباسؓ، فجاءهُ رجل، فقال: إنه طلق

امرأتهٗ ثلاثا، قال: فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة، ثم يقول: يا ابن عباسؓ، يا ابن عباسؓ، وإن الله قال: "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" (الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله، فلا أجد لك مخرجا، عصيت ربك، وبانت منك امرأتك، وإن الله قال: "يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ" (الطلاق: ١) في قبل عدتهن."

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ان کی روایت کے خلاف آ گیا تو ان سے مروی تین طلاق کے ایک ہونے والی روایت قابلِ عمل نہ رہی۔

البتہ اس اصول میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر راوی کو بھول چوک ہوگئی ہو اور اس کو حدیث بیان کرنا یاد نہ ہو، جبکہ اس کے شاگرد نے اس روایت کو شیخ سے سن کر محفوظ کیا ہو، اس کو ضبط کیا ہو، تو اب جب شیخ کا عمل اس کے خلاف ہو، شیخ اس کو چھوڑ رہا ہو اور اپنی روایت کا شیخ انکار کرتا ہو میں نے یہ روایت بیان نہیں کی تو دیکھا جائے گا کہ جن لوگوں نے اس شخص سے یہ روایت لی ہے، اگر وہ اس پر جزم کے عقیدے سے جزم یعنی یقین کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت کرتے ہیں تو پھر اس روایت کو قبول کیا جائے گا اور اس روایت پر عمل کیا جائے گا۔

عام طور پر ان سات وجوہ میں سے کسی وجہ کی بنیاد پر صحیح سند سے مروی حدیث کو چھوڑا جاتا ہے، البتہ ان سات میں ہی حصر نہیں، بلکہ اور بھی کچھ ایسی وجوہ ہوسکتی ہیں، جن کی وجہ سے خبر واحد درجے کی حدیث پر عمل نہ کیا جائے، لیکن یہاں چند ایک بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں۔

اُمت کے اتفاق کے خلاف بعض دیگر آیات و احادیث

قرآن کریم میں بعض ایسی آیات اور بعض صحیح درجے کی احادیثِ مبارکہ موجود ہیں، جن کے ظاہری معنی کو اُمت نے مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر نا قابلِ عمل قرار دیا، ان میں سے چند ایک مزید آیات و احادیث درج ذیل ہیں:

❶- "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" (النساء: ٩٣)

ترجمہ: "اور وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر (ناحق) قتل کر دے اس کی سزا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں کسی مسلمان کو عمداً قتل کرنے والے کے لیے دائمی عذاب کی وعید آئی ہے، جبکہ جمہور علمائے کرام کے نزدیک مسلمان قتل اور قتل کے علاوہ جتنا بھی بڑا گناہ کر لے وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا،

بلکہ ایک دن ضرور آگ سے آزادی پا کر جنت میں داخل ہوگا اور علمائے کرام نے اس آیت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مؤوّل ہے اور یہاں زجر اور تنبیہ کے طور پر یہ سزا سنائی گئی ہے، جیسے انتہائی غصے میں باپ بیٹے سے کہتا ہے کہ میں آپ سے آئندہ کبھی بھی بات نہیں کروں گا تو اس طرح کے کلام میں زجر اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے:

❷- ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ''

(ہود:۱۰۶-۱۰۸)

ترجمہ: ''چنانچہ جو بدحال ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے، جہاں ان کے چیخنے اور چلانے کی آوازیں آئیں گی، یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، مگر یہ کہ تمہارا رب کو کچھ اور چاہے، بے شک تمہارا رب جو ارادہ کرلے اس پر اچھی طرح عمل کرتا ہے، اور جو لوگ خوشحال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان وزمین قائم ہیں، الا یہ کہ تمہارے رب کو کچھ اور ہی منظور ہو۔''

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت اس وقت تک جنت اور دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین باقی ہیں، پھر اس میں بھی ''اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ'' کے استثناء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوگئی کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب نہ دیا جائے تو ان سے عذاب ختم ہوجائے گا، اسی لیے بعض لوگوں جیسے ڈاکٹر اسرار صاحب کے بارے میں ایک صاحب نے بتایا کہ ان کی رائے یہ تھی اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک وقت گزرنے کے بعد ختم کردیں گے، حالانکہ پوری اُمت کا اس پر اتفاقی موقف ہے کہ مسلمان جنت میں جانے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ جنت میں اور کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ اگرچہ اس عذاب کو ختم کرنے پر قادر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ طے ہو چکا ہے کہ یہ دائمی عذاب وثواب ہوگا، جو کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ اس پر قرآن کریم کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں، جیسے ''اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا'' (الاحزاب: ۶۴، ۶۵) ''خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ'' (البقرۃ: ۱۶۲) وغیرہ تقریباً اس طرح کی چالیس آیات قرآن کریم میں موجود ہیں، جو آخرت کے ثواب وعذاب کے دائمی ہونے پر دلالت کرتی ہیں، لہٰذا اگر کوئی آیت یا حدیث ان کے خلاف آتی ہے تو اس کی تاویل کی جائے گی۔

❸- ''فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ'' (الکہف: ۲۹)

ترجمہ: ''اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں بھی ’’مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ‘‘ میں بالاتفاق کفر کا اختیار دینا مراد نہیں، بلکہ اس میں دھمکی دینا مقصود ہے، جس پر اسی آیت کا اگلا حصہ ’’إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا‘‘ دلالت کررہا ہے، جبکہ آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ آدمی کو ایمان اور کفر کے انتخاب میں اختیار دیا جارہا ہے۔

❹- ’’فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ‘‘ (فاطر:۸)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت عطا فرماتے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو گمراہ کرنا اور کسی کو ہدایت عطا فرمانا سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جب سب اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے تو پھر بندہ نیکی اور بدی کا راستہ اختیار کرنے میں مجبورِ محض ہوا، اسی لیے جبریہ فرقہ نے یہ عقیدہ اختیار کیا تھا کہ نیک اور برے اعمال کرنے میں بندہ کو کوئی اختیار نہیں ہے، اس پر پھر اشکال ہوگا کہ جب بندہ کو اختیار نہیں تو پھر آخرت میں حساب اور پھر جنت و دوزخ کا فیصلہ کیوں کیا جائے گا؟ اس لیے اُمت نے ان آیات کی تاویل کی اور اس پر اتفاق کیا کہ بندہ کو نیک اور برے اعمال کرنے میں مکمل اختیار ہے، باقی اس طرح کی آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی سرکشی کی وجہ سے گمراہی کے راستے پر چھوڑے رکھتے ہیں، اسی طرح اس کے رجوع الی اللہ کی وجہ سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیتے ہیں اور اس تاویل کے تمام وہ نصوص ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے اور نیکی اور بدی کے دو راستے اس کے سامنے رکھے ہیں، مثلاً ’’وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ‘‘ (البلد: ۱۰)، ’’فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا‘‘ (الشمس: ۸-۱۰)، ’’قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى‘‘ (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵) ’’إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا‘‘ (الانسان: ۳) قرآن کریم کی یہ اور ان کے علاوہ تمام وہ آیات جن میں ایمان اور عمل صالح پر نجات کا مدار رکھا گیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بندہ مجبور نہیں، بلکہ اعمال کرنے میں بااختیار ہے۔ نیز انسان کا مشاہدہ بھی اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان اپنے اختیار سے عمل کرتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کر کے عدالت جائے اور کہے کہ میں مجبور تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایسا کروایا تو اس کا یہ عذر دنیا کی کسی عدالت میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح تقدیر سے متعلق جو نصوص وارد ہوئی ہیں، ان کا بھی یہی جواب ہے کہ تقدیر میں سب لکھا ہوا ہونے سے انسان کے اختیار کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ تقدیر میں لکھا جانا دراصل اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل کی وجہ سے ہے، اس سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ انسان کا اختیار چھین لیا گیا ہے۔

(جاری ہے)

حضرت مولانا مستفیض الرحمٰن عباسی رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اجل، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے تلمیذ رشید، حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نقشبندیؒ کے نواسے، حضرت مولانا شمس الرحمٰن عباسی دامت برکاتہم العالیہ کے برادرِ خورد، جامع مسجد قبا سولجر بازار کے امام وخطیب، جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی مدظلہ کے خسرِ محترم حضرت مولانا مستفیض الرحمٰن عباسیؒ ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق یکم جولائی ۲۰۲۴ء بروز پیر کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد رحلت فرمائے عالمِ آخرت ہوگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ و لہٗ ما أعطیٰ و کل شيئ عندہٗ بأجل مسمّٰی!

آپ ۱۹۵۶ء میں مانسہرہ کے علاقہ جدباء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حفظِ قرآن کریم سے درسِ نظامی تک جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ سے دورۂ حدیث کے اسباق پڑھ کر فاتحۂ فراغ پڑھا۔ پھر حضرت بنوریؒ کے حکم پر جامع مسجد قبا سولجر بازار کی امامت وخطابت کا منصب سنبھالا۔ آپ کی مسجد قبا ایسی جگہ پر ہے، جہاں ایک خاص مکتبِ فکر کے لوگ بڑی تعداد میں آباد ہیں، لیکن مجال ہے کہ کبھی کوئی مسئلہ یا بدمزگی ہوئی ہو، بلکہ تمام اہلِ علاقہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ عاشورائے محرم اور چہلم صفر کے دنوں میں آپ کی مسجد میں تمام مکاتبِ فکر کے لوگ وضو اور نماز کے لیے آتے اور پُرامن رہتے ہوئے اپنے اپنے معاملات میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی حکمت و بصیرت نے کبھی کسی فتنہ اور شرارت کو سر اُٹھانے کا موقع نہیں دیا۔

آپ اپنے گھرانے کے ایسے فردِ فرید تھے جو سب کی خوشی وغمی، مرض وصحت، تعلیم وتربیت، شادی بیاہ، غرض ہر شعبہ ہائے زندگی اور تمام امور میں اپنی برادری اور متعلقین کے لیے ہراول دستہ کا کردار ادا کرتے

ہوئے خدمت کے لیے پیش پیش رہتے، تکلف وتصنع سے کوسوں دور تھے۔ خوش اخلاق، ملنسار، اور عاجزی و سادگی کے پیکر تھے، ہر کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ ایسے مرجعِ خلائق تھے کہ لوگ ہر قسم کے دینی وعلمی، معاشی و خانگی معاملات میں آپ سے رہنمائی لیتے، اصابتِ رائے ایسی رکھتے تھے کہ کوئی انجان شخص بھی آپ سے بلا جھجک ملتا اور مطمئن ہوکر جاتا۔ ثابت قدم اور مستقل مزاج ایسے تھے کہ ۱۹۷۷ء میں اپنے استاذ محترم حضرت بنوریؒ کے حکم پر جامع مسجد قبا کی امامت وخطابت سنبھالی تو استاذ کے حکم کا ایسا پاس رکھا کہ ۴۷ برس میں بے شمار بڑی بڑی پیشکشوں کو ٹھکرا کر اپنے محبوب استاذ سے وفاداری نبھاتے ہوئے تادمِ آخر یہیں جمے رہے۔

آپ چاق وچوبند، قابلِ رشک صحت اور چھریرے وپھرتیلے بدن کے مالک تھے، روزانہ فجر کی نماز کے بعد اپنی مسجد سے مزارِ قائد تک چہل قدمی کرنے کا معمول تادمِ صحت رہا۔

آپ قرآن کریم کے بہترین قاری تھے، لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے مستقل سفر کرکے دور دور سے آتے تھے۔ ساری زندگی نہایت جرأت وغیرت کے ساتھ علاقے میں دین کی بھرپور خدمت کی، درسِ قرآن اور درسِ حدیث کے حلقے آباد کیے۔ آپ اپنے عام فہم، سادہ اور دل نشیں اندازِ بیان کی وجہ سے جہاں عوام میں مقبول تھے، وہیں اپنی مضبوط علمی استعداد، وسیع مطالعہ، حیران کن فقہی استحضار اور بصیرت افروز نکات کے سبب اہلِ علم میں بھی معروف تھے۔

پسماندگان میں بیوہ، دو صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن عباسی، مولانا محمود عباسی اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ اسی روز بعد نمازِ عصر مسجد قبا میں سیکڑوں علماء وطلبہ، اہلِ محلہ اور عوام نے حضرت مولانا شمس الرحمٰن عباسی دامت برکاتہم کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی، پاپوش نگر قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

جناب الحاج حافظ طاہر مکی رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ دنوں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سمیت اکابر علماء ومشائخ کے عقیدت کیش، حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنیؒ کے بھتیجے، جناب الحاج حافظ طاہر مکی رحمۃ اللہ علیہ انتقال کر گئے۔ وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، طائف کے سفر پر گئے تھے، وہیں طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹروں نے برین ہیمبرج تجویز کیا، تقریباً دو ماہ کوما میں رہنے کے بعد شبِ جمعہ میں طائف کے سپر اسپیشلٹی ہسپتال میں آخری سانس لی. إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ و لهٗ ما

أعطیٰ و کل شيئ عندہٗ بأجل مسمّٰی!

حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بعد فجر ذکر کی مجلس کراتے تھے، جس میں ایک دُبلا پتلا، دراز قد، خوش شکل نوجوان پابندی سے شرکت کیا کرتا تھا۔ یہ تھے حافظ طاہر صاحبؒ، جو نوجوانی ہی میں درویش صفت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت ہی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ ان کے والد جناب عبدالستار مرچنٹ جو انجینئر تھے اور سالہا سال سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، وہیں کے شہری ہو چکے تھے۔ وہ اپنی تمام اولاد کو رمضان کے موقع پر حرم شریف کے قریب کرایہ کے مکان میں دن رات قرآن پاک کی تلاوت، تراویح اور نفلوں میں مشغول رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں برصغیر کے اکابر علماء کرام تشریف لایا کرتے تھے۔ حج کے موقع پر ان کا گھر علماء کرام کی محفلوں سے معطر رہتا تھا۔ ان کے چچا جان، چچازاد بھائی، سارے ہی لوگ حفاظ، علماء، صلحاء، مشائخ اور صاحبِ نسبت ہیں۔

آپ رمضان کی راتوں میں شب بھر تراویح کے اندر قرآن کریم عرب لہجہ میں پڑھتے تھے، جسے باذوق احباب بہت شوق اور دلچسپی سے سماعت کرنے آتے تھے۔

ساری زندگی مکہ مکرمہ میں گزاری، حرمِ مکی میں نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبۂ حفظ وتجوید کے صدر مدرّس اور مجوّد القراءات حضرت مولانا قاری محمد رحیم بخش پانی پتیؒ کے تربیت وصحبت یافتہ، مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوریؒ ۲۶ رذوالحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۳ رجولائی ۲۰۲۴ بروز بدھ نشتر ہسپتال ملتان میں انتقال کر گئے۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ و لہٗ ما أعطی و کل شيء عندہٗ بأجلٍ مسمّٰی!

حضرت قاری رحیم بخشؒ علمِ تجوید وقراءت کے بے مثل امام، حدیث وفقہ کے بے نظیر ماہر، اور ولایت کے اونچے مقام پر فائز تھے، قرآن کریم آپ کی صرف زبان ہی سے نہیں، بلکہ زندگی کے ہر ہر عمل سے جھلکتا تھا۔ آپؒ ہی کی تربیت وصحبت سے حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوریؒ کا خمیر تیار ہوا، جنھوں نے اپنے استاذِ گرامی اور ذی قدر مربی کے بعد اُن کی مسند کو کم وبیش پینتالیس سال زینت بخشی۔

جناب قاری محمد اسحاقؒ کے والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد ابراہیم ہوشیار پوریؒ نیک سیرت و متبعِ سنت بزرگ تھے، دار العلوم دیوبند میں شعبۂ حفظ کے استاذ اور ممتحن رہے، قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبۂ حفظ و قراءت کے ممتحن بھی رہے۔

آپؒ نے اپنے استاذِ گرامی کے تدریسی قواعد وضوابط اور اصولوں کی مواظبت و پابندی کرتے ہوئے ۴۵ رسال انہی کی طرح شبانہ روز قرآن کریم کی خدمت میں صرف کیے۔ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح و اخلاق کے تزکیہ کی بھی ہمیشہ فکر فرماتے تھے، ان کے اعمال کی نگرانی، قابلِ اصلاح امور کی مخلصانہ سرزنش اور طلبہ کے اندر اتباعِ شریعت کا ذوق پیدا کرنا آپ کا منشا رہتا تھا۔

دن بھر قرآن کریم کی تعلیم جیسی اہم عبادت میں مصروفیت و مشغولیت کے باوجود شب بیداری کا اہتمام لازمی جز تھا، رات کے تین بجے جاگ کر تلاوتِ قرآن کریم، مسنون تسبیحات، ذکر اذکار اور درود شریف کا معمول جاری رکھتے، شبِ جمعہ اور جمعہ کے مبارک اوقات میں درود شریف کا خاص التزام خود بھی فرماتے اور اپنے طلبہ سے بھی کرواتے۔

اسی طرح آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی نظر رکھی، آپ کے ماشاء اللہ! پانچوں فرزند قرآن کریم کے حفاظ اور قرآن کریم کی تدریس میں مصروفِ عمل ہیں۔

آپ کی نمازِ جنازہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں ادا کی گئی، جس میں آپ کے ہزاروں شاگردوں اور محبین نے شرکت کی، یقیناً یہ سب آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حسنات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آپ کی رحلت سے جو علمی اور عملی خلا پیدا ہوا ہے اسے پُر کرنے والے اہل افراد پیدا فرمائے، آمین، بجاہ النبي الکریم !

قارئینِ بینات سے مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

عورتوں کے لیے مصنوعی پلکیں اور مصنوعی ناخن وغیرہ لگانے کا حکم

ادارہ

سوال

❶-نقلی پلکیں لگانا، نقلی ناخن لگانا، گجرے پہننا اور گلے میں پھولوں کا ہار پہننا جائز ہے یا نہیں؟

❷-مصنوعی پلکیں اگر عارضی نہ ہوں، بلکہ گوند وغیرہ سے سرجری کر کے مستقل چپکا دی جائیں جو تقریباً تین ماہ تک لگی رہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ زینت اور علاج دونوں صورتوں کا حکم واضح فرمائیں۔ بعض اوقات اس میں جانور کے بال بھی استعمال کیے جاتے ہیں!

❸-سونے اور چاندی کے علاوہ انگوٹھیاں پہننا جیسے لوہے، اسٹیل، پیتل وغیرہ کی یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب

❶-واضح رہے کہ خواتین کے لیے جائز حدود میں رہ کر شوہر کی خاطر زینت اختیا کرنا پسندیدہ ہے، اور غیر محرموں کو دکھانے یا دیگر خواتین کے سامنے فخر ومباہات کی غرض سے زینت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے دیگر ضرورت اور خوشی کے موقعوں میں پر زیب وزینت کرنا منع نہیں ہے۔

لہٰذا عورتوں کے لیے شوہر کے سامنے زینت کی خاطر (انسان اور خنزیر کے بالوں کے علاوہ کی) مصنوعی پلکیں، گجرے پہننا اور گلے میں پھولوں کا ہار پہننا جائز ہے، بشرط یہ کہ ان مصنوعی پلکوں سے محض دکھلاوا، یا دھوکا دینا یا خلافِ حقیقت صورت کا اظہار مقصود نہ ہو، البتہ وضو کے لیے مصنوعی پلکیں نکال کر وضو کرنا ضروری ہوگا۔ تاہم مصنوعی ناخن لگانا قباحت سے خالی نہیں، مکروہ ہے؛ کیوں کہ شریعت نے ناخن بڑھانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ تراشنے کا حکم دیا ہے، جب کہ مصنوعی ناخن لگانے میں ان کے بڑے ہونے کا اظہار ہے۔

❷-انسانی بالوں یا خنزیر کے بالوں کی بنی ہوئی پلکیں لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر مصنوعی بالوں یا خنزیر کے علاوہ کسی جانور کے بالوں سے بنی ہوں اور عارضی طور پر پہنی یا لگائی جائیں تو ان کا حکم اوپر گزر چکا ہے، پھر اگر گوند سے چپکائی گئی ہوں اور وضو کے لیے ان کو نکالا جاسکتا ہو تو نکال کر پانی پہنچانا ہوگا، اور گوند وغیرہ کی تہہ لگی ہو تو اسے چھڑانا بھی ضروری ہوگا، اور اگر ہر مرتبہ نکالنا مشکل ہے تو اوپر سے پانی بہایا جائے، حتی الامکان کوشش ہو کہ پانی اندر کی جلد تک پہنچ جائے۔

اور اگر سرجری کرکے اس طور پر پلکیں لگادی جائیں کہ پھر نہ نکلیں اور جسم کے دیگر بالوں کی طرح بڑھتی بھی ہوں (یعنی وہ جسم کا حصہ بن جائیں اور ان میں نشو ونما کی صلاحیت پیدا ہوجائے) تو علاج اور ازالۂ عیب کی غرض سے اس کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ وہ بال کسی دوسرے انسان یا خنزیر کے نہ ہوں۔

❸-سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں (لوہے، اسٹیل، تانبے وغیرہ) کی انگوٹھی پہننا مکروہِ (تحریمی) ہے۔

''صحيح البخاري''میں ہے:

''عن أبي هريرة رضي الله عنه سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الآباط.'' (كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ج:۷، ص:۱٦۰، ط: دار طوق النجاة)

ترجمہ: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال مونڈنا، مونچھیں چھوٹی کرنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اُکھیڑنا۔''

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144602101654 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

طالب علم سے لیٹ فیس کی صورت میں مالی جرمانہ لینے کا حکم

سوال

ہمارے مدارس میں درج ذیل قوانین ہیں، کیا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

①-اگر داخلہ مقررہ ایام کے اندر نہیں ہوا تو پرانے طالب علم کو مقررہ فیس سے زائد رقم ادا کرنی ہوگی،

مثال کے طور پر پرانے طلبہ کی داخلہ فیس ۱۵۰۰ ٹاکا ہے، اگر کوئی پرانا طالب علم مدرسہ کھلنے کے تین دن کے اندر داخلہ نہ لے سکے تو اسے داخلہ کے لیے ۱۸۰۰ روپے ادا کرنے ہوں گے۔

②- اگر امتحانی فیس مقررہ تاریخ کے اندر ادا نہیں کی جاتی ہے تو کیا لیٹ فیس وصول کرنا جائز ہے؟ مثال کے طور پر ۲۰۰ روپے کی امتحانی فیس دس دنوں کے اندر ادا کرنی ہوگی، اس کے بعد اگر ادا کرے تو کل ۳۰۰ روپے ادا کرنے ہوں گے۔

③- اگر کوئی مدرسہ کھلنے کی مقررہ تاریخ پر حاضر نہ ہو، تو سزا کے طور پر اس سے ۱۰۰ یا ۲۰۰ روپے لے کر کھانا جاری کیا جائے گا، اس صورت میں غیر حاضری کے دنوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے وصول شدہ رقم کم وبیش ہوتی ہے۔

④- جو طالب علم مدرسہ کی طرف سے کھانے کے لیے مقرر کردہ رقم سے کم روپے دے کر کھانا لیتا ہے، مثال کے طور پر مدرسہ کے کھانے کی مقررہ رقم دو ہزار روپے ہے، جو طالب علم ۲۰۰۰ ٹاکے سے کم ادا کرتا ہے (مثال کے طور پر ۱۰۰۰ یا ۱۲۰۰ ٹاکا) اگر وہ امتحان میں ایک کتاب میں فیل ہو تو اسے کھانا جاری کرنے کے لیے ۲۰۰ ٹاکے زیادہ ادا کرنے ہوں گے، اور اگر وہ ایک سے زیادہ کتاب میں فیل ہو، تو اسے ۵۰۰ روپے زیادہ ادا کرنا ہوں گے۔ مذکورہ زیادہ رقم ہر ماہ ادا کرنے کے بعد اس کا کھانا جاری کیا جاتا ہے، یہ قانون اگلے امتحان تک رہے گا، واضح رہے کہ اگر طالب علم کھانے کے لیے مقرر کردہ پوری رقم ادا کرے، تو امتحان میں فیل ہونے پر کوئی اضافی فیس اس سے نہیں لی جائے گی۔

جواب

①- صورتِ مسئولہ میں مقررہ ایام کے اندر داخلہ نہ ہونے کی صورت میں مقررہ داخلہ فیس سے زائد لینا جائز نہیں ہے، یہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) کے زمرے میں آتا ہے اور تعزیر بالمال شرعاً ناجائز ہے۔

②- طالب علم کی طرف سے مقررہ تاریخ پر امتحانی فیس ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے اضافی فیس وصول کرنا مندرجہ بالا وجہ سے جائز نہیں ہے۔

③- اور اگر کوئی مدرسہ کھلنے کی مقررہ تاریخ پر حاضر نہ ہو سکے تو کھانا جاری کرنے کے لیے سزا کے طور پر اس سے ۱۰۰ یا ۲۰۰ یا کم وبیش رقم لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) کے زمرے میں آتا ہے اور تعزیر بالمال شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا اضافی رقم لینے کی صورت میں طالب علم کو یہ رقم واپس کرنا ضروری ہے۔

④- جن طلبہ کو کھانے کی قیمت میں رعایت دی گئی ہو، ان میں سے کسی کے امتحان میں مجموعی طور پر یا

ایک آدھ کتاب میں فیل ہونے پر دی گئی رعایت سرے سے ختم کرنے یا رعایت میں کمی کرنے کی اجازت ہوگی، لیکن اس پر دوسو یا پانچ سو اضافی رقم لینا جائز نہیں ہوگا، یہ بھی تعزیر بالمال کے تحت آئے گا۔

حاصل یہ کہ کوتاہیوں پر بطورِ سزا یا بطورِ تنبیہ طے کردہ فیس سے زیادہ لینا تعزیر بالمال ہے جو کہ جائز نہیں، البتہ اگر طے کردہ فیس میں اچھی کارگردگی پر رعایت رکھی جائے اور اچھی کارکردگی نہ کرنے پر وہ رعایت واپس لی جائے تو یہ تعزیر بالمال میں شمار نہیں اور یہ صورت جائز ہے۔

''مشكاة المصابيح''میں ہے:

''عن أبي حرّة الرُقاشيّ عن عمه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ألا تظلموا ألا لا يحلّ مال امرئ إلاّ بطيب نفس منه.''

(كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، رقم الحديث: ٢٩٤٦، ج:٢، ص:٩، ط:المكتب الإسلامي)

ترجمہ:''حضرت ابوحرّہ رقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا، اچھی طرح سنو کہ کسی دوسرے شخص کا مال اس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔'' (مظاہرِ حق)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144511102412 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

ادارہ

نقوشِ شجاع آباد (۲ جلدیں)

مرتب: مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب۔ صفحات جلد اول: ۶۴۰۔ جلد دوم: ۷۳۶۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ضلع ملتان

شجاع آباد؛ جنوبی پنجاب کے مرکزی شہر ملتان کے مضافات میں قائم مردم خیز خطہ ہے، جہاں بڑے بڑے علمائے کرام، نامور مشائخ عظام اور اہل اللہ پیدا ہوئے، جن کے علم وفضل، سلوک واحسان، فن وادب اور خطابت وفصاحت کا فیض چہار سو عالم پہنچا ہے۔ اس سرزمین کے فرزند حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب موفق بالخیر شخصیت ہیں، جو اس سے قبل ''نقوشِ قرآن''، ''نقوشِ اسلام'' اور ''نقوشِ تاریخ'' کے عنوانات سے اپنے جواہرِ علمی پیش کر چکے ہیں، اب انہوں نے اپنے آبائی علاقہ کی تاریخ، یہاں کے علماء ومشائخ کے تذکرہ اور ان کی خدمات کو اُجاگر کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔ اس پر وہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں کہ اپنے لوگوں کو یاد رکھنا، خصوصاً اہل اللہ، علمائے کرام اور نیکوکاروں کا تذکرہ کرنا، آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ مرتب کرنا؛ بڑے دل جگرے کا کام ہے! اس راہ میں کتنی صعوبتیں اور نشیب وفراز آتے ہیں، اس کا اندازہ انہی کو ہوسکتا ہے جنہوں نے یہ بھاری پتھر اُٹھانے کے بعد چوم کر واپس رکھنے کی بجائے اس سے تاریخ کے سنگ تراشے ہوں۔

پیشِ نظر کتاب تین ابواب پر منقسم ہے: پہلے باب میں شجاع آباد کے قیام سے لے کر اس کے آباد ہونے، یہاں کے علمی مراکز، مدارس اور عصری اداروں کی تاریخ رقم کی گئی ہے۔ دوسرا باب شجاع آباد اور اس کے گردونواح جلال پور پیروالا وغیرہ کے تقریباً ۱۱۰ علماء ومشائخ کے تذکرہ سے معطر ہے، مؤلف کو اعتراف ہے کہ اس خطہ کے تمام علماء ومشائخ کے احوال کا احاطہ نہیں کیا جا سکا، بلکہ تگ ودو اور تلاشِ بسیار کے بعد جتنا کچھ میسر آ سکا، اس کا گلدستہ سجا دیا گیا ہے۔ جب کہ تیسرے باب میں جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی تاریخ وخدمات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ کتاب کے اکثر مضامین مؤلف موصوف نے خود لکھے ہیں، بعض مضامین دوسرے اہلِ قلم کے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ طباعت بہترین، کاغذ مناسب، ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔

اس مجموعہ کے منظرِ عام پر آنے کے اصل محرک و باعث ہمارے شیخ ومرشد اور مدیر ماہنامہ بینات حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید قدس سرہٗ ہیں، جن کی ترغیب وتحریض پر مؤلف نے یہ کام شروع کیا اور اُسے مرتب کر کے شائع کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اہلِ ذوق کے لئے خاصے کی چیز ہے۔